حق چار یار	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	خلافت راشدہ
اکتوبر ۲۰۲۴ء	وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ۝	شمارہ نمبر ۲۹

مجلہ پشاور

راہ ھدایت

• امام اہلسنت ؒ نے فرمایا	• مسئلہ تین طلاق پر مدلل و مفصل بحث
• حرکت انصار المہدی حقیقت یا فسانہ	• مماتیت ایک نظر میں
• مفتی طارق مسعود کی رجوع علامہ ارشد القادری کی عدالت میں	

مدیر اعلی

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر

جناب طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

ناشر

نوجوانان احناف طلباءِ دیوبند پشاور

03428970409

اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کے افکار و نظریات کا امین

مجلّہ **راہ ھدایت** پشاور

نوٹ: مجلّہ راہِ ہدایت کے تمام شمارے صرف PDF کی صورت میں دستیاب ہیں!

انتخاب: طاہر گل دیوبندی (قسط:۱)

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا!

”رحمٰن“ اور ”رحیم“

فرمایا:

”شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن اسے کہتے ہیں جو بغیر مانگنے اور سوال کرنے کے دے۔ اور رحیم اسے کہتے ہیں جو مانگنے اور سوال کرنے کے بعد دے۔“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۸،۳۹)

”رب“ کا مفہوم

فرمایا:

”رب کا معنٰی ہے پالنے والا، تربیت کرنے والا۔ اگر رب کا مفہوم ہی سمجھ لے تو شرک کے قریب نہیں جاسکتا کیونکہ تربیت کے لیے رہائش کی ضرورت، خوراک کی ضرورت، پانی کی ضرورت، ہوا کی ضرورت، حفاظت کی ضرورت، اور بھی جتنی چیزیں تربیت کے لیے ضروری ہیں وہ سب رب تعالیٰ کے پاس اور اسی کے اختیار میں ہیں۔ تو کوئی اور اس کا شریک اور حصے دار کس طرح بن گیا؟ اور اس کے سوا کسی اور کے پاس حاجت روائی کے لیے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۹)

استعانت کی قسمیں

فرمایا:

”استعانت کی دو قسمیں ہیں:

ایک ظاہری اور اسباب کے تحت استعانت ہے مثلاً بیمار آدمی حکیم اور ڈاکٹر سے مدد لیتا ہے۔ غریب امیر سے مدد لیتا ہے۔ کمزور آدمی کوئی وزنی کام خود نہیں کرسکتا طاقت ور سے بدنی مدد لیتا ہے کہ میرا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ ظاہری اور اسباب کے تحت استعانت ہے۔ اس کے جائز ہونے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ اسی استعانت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں وتعاونوا علی البر

والتقوٰی ، ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان [المائدہ:۲] تو اسباب کے تحت جو مدد ومعاونت ہے یہ جائز ہے۔

دوسری استعانت ہے مافوق الاسباب اسباب سے بالاتر کسی سے مدد طلب کرنا یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ایک شخص یہاں کھڑا ہے اور کہتا ہے اے شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میری مدد کر! یہ مافوق الاسباب استعانت ہے۔اس طرح کہنے میں ان کو حاضر وناظر اور عالم الغیب ماننا پڑے گا اور متصرف فی الامور سمجھنا پڑے گا اور یہی کفر کی بنیاد ہے۔تمام فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں وہ پکا کافر ہے۔کیونکہ یہ مافوق الاسباب استعانت ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے جائز نہیں ہے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۴۱)

قبر کی زندگی

فرمایا:

"انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کی روح نکل جاتی ہے پھر جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو (بتصریح حدیث۔ناقل) تعاد روحہ فی جسدہ اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے فرشتے آتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں من ربک تیرا رب کون ہے؟ من نبیک تیرا نبی کون ہے؟ ما دینک تیرا دین کیا ہے؟ وہ سوالوں کو سمجھتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔اس کے بعد اگر نیک ہے تو اس کو قبر میں جو راحت اور آرام ملتا ہے اس کو وہ سمجھتا بھی ہے اور محسوس بھی کرتا ہے اور اگر بد ہے تو اس کو جو سزا ملتی ہے اس کو وہ سمجھتا بھی ہے اور محسوس بھی کرتا ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۱۲۸)

بندہ مجبور محض نہیں!

فرمایا:

"اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو مجبور محض بھی نہیں بنایا اور ہر چیز کا اختیار بھی نہیں دیا اور جتنا اختیار دیا ہے اس سے اتنا ہی پوچھا جائے گا۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۷۳)

معجزہ نبی کا اور کرامت ولی کا ذاتی فعل نہیں

فرمایا:

"معجزہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور کرامت ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ معجزہ پیغمبر کا ذاتی فعل نہیں ہوتا۔ اور کرامت ولی کا ذاتی فعل نہیں ہوتا۔ اور اگر ذاتی فعل ہو تو جب چاہیں کرلیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۰۵)

وسیلے کا شرعی مفہوم اور حکم

فرمایا:

"اگر کوئی شخص اس طرح دعا کرے کہ اے پروردگار! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میرا یہ کام کردے یا یوں کہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل سے میرا یہ کام کردے یا یوں کہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے میرا یہ کام کردے یا یوں کہے کہ سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت سے میرا یہ کام کردے۔ وسیلہ، طفیل، صدقہ، حرمت، جاہ اور حق سب کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ تو اس میں تفصیل ہے:

ا: اگر توسل کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس کا میں وسیلہ دے رہا ہوں وہ میرے پاس حاضر و ناظر ہے۔ اور عالم الغیب ہے اور تمام کاموں میں اس کو تصرف حاصل ہے اور وہ میرا کام کرا سکتا ہے تو ایسے وسیلے کے کفر اور شرک ہونے میں کوئی شک نہیں ہے؟ ایسا توسل کرنے والا کافر اور مشرک ہے۔

۲: اور اگر توسل کرنے والا جس کا وسیلہ دے کر دعا کر رہا ہے اس کو عالم الغیب، حاضر و ناظر نہیں سمجھتا اور اس کو متصرف فی الامور بھی نہیں سمجھتا، حاضر و ناظر، عالم الغیب، مختار کل صرف رب تعالیٰ کو سمجھتا ہے۔ اور اس کا یہ نظریہ بھی نہیں کہ وہ رب تعالیٰ سے جبراً کام کرا سکتا ہے۔ اور محض ان کے ساتھ اور تعلق کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہے تو جائز ہے۔ یہ وسیلہ آیت کریمہ ﴿و كانو من قبل يستفتحون على الذين كفروا﴾ سے ثابت ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۲۷۶،۲۷۵)

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ الفاظ سے درود شریف پڑھنا

فرمایا:

”قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ کے الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ درود شریف کے مختصر الفاظ ہیں لیکن پڑھنے والے یہ سمجھے کہ میرے اس درود شریف کو فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھ کر پڑھے تو کفر ہوگا۔“

آج کل اکثریت کے ذہن چونکہ خراب ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھ کر الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ پڑھتے ہیں لہٰذا صحیح العقیدہ ہونے کے باوجود ان الفاظ سے گریز کرنا چاہیے۔ تاکہ کسی باطل فرقے کی تائید نہ ہو۔ اور اس کی دلیل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۱۸،۳۱۹)

فرشتے جس نور سے پیدا کیے گئے ہیں وہ ”نور“ مخلوق ہے

فرمایا:

”فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں لیکن یہ وہ نور نہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ فرشتے جس نور سے پیدا کیے گئے ہیں وہ مخلوق ہے۔ جس طرح مٹی مخلوق ہے اس سے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آگ مخلوق ہے جو جنات کی اصل ہے۔ اسی طرح نور بھی مخلوق ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا ہے۔ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۱۳۴)

اسلامی تاریخ

فرمایا:

”اسلامی تاریخ غروب آفتاب کے ساتھ بدلتی ہے اور انگریزی تاریخ رات بارہ بج کر ایک منٹ پر بدلتی ہے۔“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۱۷)

نظر کا لگ جانا حق ہے

فرمایا:

"حدیث پاک میں آتا ہے کہ العین حقّ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ نظر لگنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جب کسی شے کی صحت و خوبصورتی پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ اتنی صحت مند ہے، اتنی خوبصورت ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس میں عیب پیدا کر دیتے ہیں۔ کہ اس کا کمال بھی میرے اختیار اور اس کا زوال بھی میرے اختیار میں ہے۔ اس میں بندے کا کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے۔ سوائے تعجب کے اظہار کرنے کے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۲۸)

مرد کے لیے سونے چاندی کا استعمال

فرمایا:

"مرد کے لیے چار ماشے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ زیور کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ زیور کے علاوہ چاندی کا استعمال جائز نہیں۔ مثلاً گھڑی یا گھڑی کا چین یا جیبی گھڑی کی زنجیر یا بازو اور گلے کی زنجیر یہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔ اور سونا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ سونے چاندی کا دانت لگوا سکتا ہے۔ اگر ناک کٹوا بیٹھے تو وہ بھی سونے چاندی کی لگوا سکتا ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)

تعویذ گنڈے اور دم پر اجرت لینا جائز ہے!

فرمایا:

"تمام فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی تعویذ گنڈے اور دم پر اجرت لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۸)

"حمد" اور "مدح"

فرمایا:

"ایک ہے حمد اور ایک ہے مدح۔ حمد ایسی تعریف کو کہتے ہیں جو کسی کے ذاتی افعال پر کی جائے ، ذاتی اوصاف پر کی جائے۔ مدح عام ہے کسی کی خوبی ذاتی ہو یا غیر ذاتی۔ اس پر جو تعریف کی جائے تو اس کو مدح کہتے ہیں۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۹)

نظر کی حفاظت

فرمایا:

"حکماء نے لکھا ہے کہ جب بجلی چمکے اس کی طرف نہ دیکھو۔ اور اطباء نے بھی لکھا ہے کہ اس کی چمک اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کی طرف دیکھنے سے بینائی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سورج گرہن ہو تو اس وقت سورج کی طرف دیکھنے سے بھی بینائی ختم ہو جاتی ہے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۹۹)

تصوف

فرمایا:

"یاد رکھنا! جو صحیح تصوف ہے اس کے بغیر بھی مسلمان کو چارہ نہیں ہے۔ نفس کا تزکیہ کرنا اور اخلاق حسنہ کو اخذ کرنا بڑی چیز ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۱۴۱)

تزکیہ نفس کے لیے وظائف کرنا

فرمایا:

"تزکیہ یعنی دلوں کی صفائی تو رب کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذریعہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور تعلیم و تربیت سے لوگوں کے دل صاف ہو جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ کے ہوتے ہوئے وظائف کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اب زنگ اتارنے کے لیے وظائف کرنے پڑتے ہیں۔ پیر کامل اپنے مریدوں کو اگر کوئی وظیفہ بتائے گا اور وہ توجہ کے ساتھ پڑھے گا تو یقیناً اثر ہو گا۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۹۳)

علم کی فضیلت

فرمایا:

”اے انسانو! تم مسجود الملائکہ کی نسل سے ہو۔ اور آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو فضیلت حاصل ہوئی تو علم کی وجہ سے ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں معنوی اور روحانی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس کو یاد رکھو اور اعمالِ صالحہ کرو۔“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۱۴۳)

”من حیث القوم“ سب سے زیادہ ذہین اور ضدی قوم

فرمایا:

”دنیا میں جتنی قومیں ہیں افراد کے لحاظ سے نہیں بلکہ من حیث القوم یہودی سب سے زیادہ ذہین ہیں۔ ہائیڈروجن بم اور کلاشنکوف کے موجد یہی ہیں۔ قوموں کی تباہی کے اسباب انہوں نے ہی پیدا کیے ہیں۔ اور جتنے ذہین ہیں اتنے ہی ضدی ہیں۔ اپنی بات پر اڑ جاتے ہیں اور اس کے مقابلے میں صحیح بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم [البقرہ:۱۴۶] اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ضد پر اڑے رہے، قبول نہیں کیا۔ تو اللہ نے ان پر آسمان کی طرف سے عذاب نازل فرمایا۔“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۱۹۳)

ترک جماعت فسق کا سبب ہے

فرمایا:

”اگر کوئی آدمی تین نمازیں بغیر کسی عذر کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھے تو وہ فاسق ہو جاتا ہے اور شریعت میں اس کی گواہی غیر مقبول ہے۔“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۲۵۷)

”اثم“ اور ”عدوان“

فرمایا:

”رب تعالیٰ کے حکم کو توڑنے کو ”اثم“ کہتے ہیں اور بندے کے حق کو ضائع کرنے کو ”عدوان “کہتے ہیں“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۲۶۲)

حوروں سے متعلق مودودی صاحب کا غلط موقف

فرمایا:

”مودودی صاحب مرحوم سے حوروں کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں؟ تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ حوریں کافروں کی وہ لڑکیاں ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گئی ہیں۔ یہ بات انہوں قرآن پاک کی تفسیر میں لکھی ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیوں کہ حوروں کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے: خلقت من المسک حوریں کستوری سے پیدا کی گئی ہیں۔ لہذا جو علماء مسائل میں مودودی صاحب کی تردید کرتے ہیں وہ غلط نہیں کرتے بلکہ صحیح کرتے ہیں۔ بہر حال حوروں کا مادہ مٹی نہیں ہے وہ جنت ہی کی مخلوق ہے۔“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۹۵)

قرآن مجید پر پنڈت دیانند سرسوتی کا اعتراض اور حضرت نانوتویؒ کا جواب

فرمایا:

”اس (پنڈت دیانند سرسوتی) نے اس آیت ﴿ان اللّٰہ علی کل شیئ قدیر﴾ پر بھی اعتراض کیا لکھتا ہے:

”اے مسلمانو! تم قرآن میں پڑھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے مجھے یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ چوری اور زنا پر بھی قادر ہے؟ تو ہمارے اور اللہ کے درمیان کیا فرق ہوا؟ اور اگر قادر نہیں تو پھر تمہارا قرآن سچا نہیں ہے۔“

اس اعتراض کا حضرت نانوتویؒ نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت فرماتے ہیں پنڈت جی! چوری کی تعریف یہ ہے کہ آپ غیر کی ملک میں ہاتھ ڈالیں۔ اپنی ملک میں کسی کے لینے کو چوری نہیں کہتے۔ پہلے کسی چیز کے متعلق یہ ثابت کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملک نہیں اور فلاں کی ملک ہے، پھر چوری کی بحث آئے گی۔ جب دنیا کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملک ہے تو ان میں چوری کا سوال کس

طرح پیدا ہو گیا؟ اور رہی بات زنا کی تو زنا کیلئے زنانہ مردانہ آلات کی ضرورت ہے۔ پہلے رب تعالیٰ کے لیے وہ آلات ثابت کرو پھر زنا کی بات ہو گی۔ رب تعالیٰ کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ رب تعالیٰ تمام اوصاف سے متصف ہے اور اس کی وہ صفتیں ہماری طرح نہیں ہیں۔ ارشاد ربانی ہے لیس کمثلہ شیئ اس کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جسمانیات سے پاک ہے۔ اور پنڈت جی! اس بات کو تم بھی مانتے ہو لہٰذا تمہارا یہ سوال کرنا حماقت ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۱۰۰،۱۰۱)

پاکستان میں اپنے مسلک کا تحفظ کرنے والے دو سفارت خانے

فرمایا:

"ہمارے ملک میں دو سفارت خانے انتہائی اپنے ملک کا پرچار کرتے ہیں۔ اور اپنے مسلک کا تحفظ کرتے ہیں ایک ایران کا اور دوسرا امریکہ کا، یہ بہت تیز ہیں۔ پاکستان میں جتنی ان کی چلتی ہے اتنی اور کسی کی نہیں چلتی۔ بات وہاں پر ختم ہو جاتی ہے جہاں امریکہ ختم کر دے اور یہ ان کی بات مانتے ہیں کہ مشکل وقت میں ہمارے کام آئیں گے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۲۷)

اہل کتاب کے مصداق

فرمایا:

"اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہیں جیسے یہود توراۃ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نصاریٰ انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور صابی زبور کو ماننے کے مدعی ہیں اگرچہ محض ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اپنی کتابوں پر چلنے اور عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ اگر اپنی کتابوں پر عمل کریں تو آخری پیغمبر پر ایمان لے آئیں کہ ان کی کتابوں توراۃ، انجیل، زبور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت موجود ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۳۱)

قبولیت اعمال کی شرائط

فرمایا:

”نیکی کی قبولیت کے لیے تین بنیادی شرائط ہیں۔

۱: پہلی شرط یہ ہے کہ عقیدہ صحیح ہو کیونکہ ایمان کے بغیر کسی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۲: دوسری شرط یہ ہے کہ نیکی ریاء اور دکھلاوے کے طور پر نہ ہو۔ اگر دکھلاوے کے طور پر ہو گی تو بجائے ثواب کے گناہ ہو گا۔ چاہے نماز ہی کیوں نہ ہو۔

۳: تیسری شرط یہ ہے کہ سنت کے مطابق ہو۔ اگر سنت کے مطابق نہیں ہے تو گناہ ہو گا۔ ثواب نہیں ملے گا چاہے نماز ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص سورج کے طلوع ہوتے وقت یا غروب کے وقت یا زوال کے وقت نماز پڑھے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی، جزا نہیں ملے گی۔ حالانکہ اس نے نماز ہی پڑھی ہے۔ کیوں سزا ملے گی اس لئے کہ خلاف سنت پڑھ رہا ہے۔

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۳۸،۳۳۷)

”یوم الشک“ کا روزہ گناہ ہے

فرمایا:

”بخاری شریف میں روایت ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شک کے دن جس نے روزہ رکھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔“ یعنی رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کے متعلق تردد ہے، یقین نہیں ہے کہ چاند نظر آگیا ہے تو اس دن روزہ رکھنے والا گناہگار ہو گا“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۳۹)

آٹھ تراویح کی بدعت

فرمایا:

”کچھ لوگ آٹھ تراویح پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آٹھ تراویح قطعاً نہیں ہیں۔ تراویح بیس رکعت ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک امت کا معمول بیس رکعت تراویح ہی ہے۔ یہ آٹھ پر اصرار کی بدعت چند سالوں سے چلی ہے۔ لہٰذا تم بیس رکعات اہتمام کے ساتھ پڑھو اور نیکی ضائع نہ کرو۔ جو بھی نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پاؤ گے۔“

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۳۹)

ہدایت دینا نبیؐ کے اختیار میں نہیں

فرمایا:

"پیغمبر حق تبلیغ ادا کر کے اپنے عہدہ سے بری ہو گئے۔ ہدایت دینا ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر ہدایت دینا نبی کے اختیار میں ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے قابیل کو اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کنعان کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر کو ہدایت سے نوازتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طبعی محبت کے باوجود اپنے چچا ابو طالب کو گمراہی میں نہ رہنے دیتے بلکہ اس کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۶۱)

"کعبہ" کا معنٰی

فرمایا:

"کعبہ کا معنٰی ہے "المکان المرتفع المربع" چار کونے والی اونچی جگہ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد اس کا نشان مٹ گیا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے لکیر کھینچ کر بتایا کہ یہ جگہ کعبۃ اللہ کی ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۸۶)

صدقے کا مفہوم

فرمایا:

"ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے حیران ہوئے اور عرض کیا۔ حضرت! "من یطیق ذالک" کس کو اس کی طاقت ہے کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرے؟ فرمایا" تم نے صدقے کا معنٰی روپیہ دینا ہی سمجھا ہے۔ صرف یہ معنٰی نہیں ہے بلکہ ایک دفعہ الحمدللہ کہا صدقہ ادا ہو گیا۔ سبحان اللہ کہا صدقہ ادا ہو گیا۔ اللہ اکبر کہا، صدقہ ادا ہو گیا۔ لاالہ الااللہ کہا صدقہ ادا ہو گیا وعلیکم السلام کہا صدقہ ادا ہو گیا۔ بلکہ ایک دوسرے کو ملتے وقت خندہ پیشانی سے پیش آنا یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ پر اینٹ پتھر پڑا ہوا جو لوگوں کے لیے

تکلیف کا باعث ہے اس کو راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ ناواقف کو راستہ بتا دینا یا اس کو منزل تک پہنچا دینا بھی صدقہ ہے۔

صدقہ ضروری نہیں کہ رقم اور جنس کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے بلکہ اللہ، اللہ کرنے میں بھی صدقہ ہے۔ اور ایک بات اور بھی سمجھ لیں کہ جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صدقہ "کالی سری" کا نام ہے کہ "کالی سری" دینے سے سب بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۹۱)

روضہ مبارکہ کی فضیلت

فرمایا:

"بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کعبۃ اللہ کا درجہ زمین کے تمام ٹکڑوں سے بلند ہے۔ سوائے زمین کے اس ٹکڑے کے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں کہ اس کا درجہ کعبۃ اللہ، عرش، کرسی، حتیٰ کہ لوح سے بھی بلند ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۹۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے

فرمایا:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مقام اور فضیلت عطاء فرمائی ہے۔ البتہ متعدد دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت کلی یعنی تمام کائنات پر فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمائے ہیں وہ اور کسی کو نہیں عطا فرمائے۔ خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بہت بلند مقام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلی کی وہ دلیلیں نہ ہوتیں تو یہ آیت کریمہ ﴿ولقد اصطفینہ فی الدنیا﴾ اور اس قسم کی دوسری آیات بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ سب سے بلند ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اتنے کمالات عطا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو نہیں عطا فرمائے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام مخلوقات سے بلند ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے بلند مقام ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۹۷)

ایک اور جگہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا درجہ ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۳۴۱)

ایک اور جگہ فرمایا:

"سب سے بلند اور اعلیٰ درجہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قدر کے بعد درجہ اور مقام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد درجہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۴۱۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار ایمان ہیں

فرمایا:

"اس آیت کریمہ ﴿فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہٖ فقد اھتدوا﴾ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے جیسا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت حاصل ہو گی۔۔۔ اور جو حضرات دوسروں کے لیے معیار ہیں۔ وہ ثقہ، عادل، متقی، پرہیز گار ہیں۔ اور ان پر جرح واعتراض جائز نہیں ہے۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۴۱۳)

"اہل السنّت والجماعت" کا مطلب

فرمایا:

"شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں اور دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے کہ: "اہل سنت" وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلیں اور "والجماعت" وہ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے نقش قدم پر چلیں۔ تو اہل سنت والجماعت وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلتے ہیں۔"

(ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن جلد ا صفحہ ۴۱۶)

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ، مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ (قسط:۹)

مسئلہ تین طلاق پر مدلل و مفصل بحث

باب: ۱۲

تین طلاقوں کو ایک قرار دینے پر غیر مقلدین کے مزعومہ دلائل کا جائزہ

حافظ عبد الرحمن غیر مقلد (امام جامع مسجد اقصیٰ احمد پور شرقیہ) نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے کا فتوی دیا۔ اُن کا یہ فتویٰ قلمی ہے جو میرے پاس اَب بھی محفوظ ہے۔ بندہ نے اس قلمی فتوی کا جواب لکھا۔ سب سے پہلے یہی جواب لکھا گیا، عرصہ دراز بعد زیر نظر مستقل کتاب ترتیب دی جیسا کہ ''پیش لفظ'' میں کتاب کی تالیف کا پس منظر بتا دیا ہے۔ حافظ عبد الرحمن غیر مقلد کے بیان کردہ فتوی کا جواب اس باب میں ہے اور دوسرے غیر مقلدین کے مزعومہ دلائل پر تبصرہ آئندہ ابواب میں ہو گا ان شاء اللہ۔ اس بات کو یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ غیر مقلدین کی مزعومہ مرکزی دلیلوں کا جواب یہاں دیا جا رہا ہے اور دیگر شبہات کا جواب اگلے ابواب میں دیا جائے گا، وباللہ التوفیق۔

حافظ عبد الرحمن سے کسی نے پوچھا:

''محترم جناب مفتی عبد الرحمن صاحب!

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کی وضاحت فرمادیں کہ آیا ایک ہی مجلس میں تین مرتبہ طلاق دینے سے کیا طلاق واقع ہو جاتی ہے یا اس میں رجوع کی کوئی گنجائش باقی ہے؟''

حافظ عبد الرحمن:

حافظ عبد الرحمن نے اس کا یوں جواب دیا:

''ایک مجلس میں خاوند اپنی بیوی کو دو یا تین اس سے زیادہ لفظ طلاق کہہ دے اور بیک وقت کہے شرعی حیثیت سے ایک طلاق ہو گی۔ جس طرح مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

فرماتے ہیں کہ آنحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں ایک ساتھ تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ صحیح مسلم ج ا ص ۴۷۷، صحیح ابو داؤد"

جواب:

حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر بحث

غیر مقلدین مسلم شریف کی اس حدیث کو اپنے دعوی پر مرکزی اور بہت وزنی بلکہ لاجواب دلیل تصور کیا کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد اِس حدیث کی بابت لکھتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ایسی دلیل ہے جو تمام دلائل کا گلا گھونٹ سکتی ہے۔(بدور الاہلۃ صفحہ ۱۸۷،بحوالہ عمدۃ الاثاث صفحہ ۸۰)

مولانا عبد المتین میمن غیر مقلد لکھتے ہیں:

"تین طلاقوں کو جو ایک ہی مجلس میں دی گئی ہوں، ایک ہی ماننے کے لیے یہ حدیث ابن عباس اصل عظیم ہے۔"

(حدیث خیر و شر صفحہ ۱۵۲،۱۵۱... مکتبہ الفہیم مؤناتھ بھنجن یوپی، تعلیق و تحشیہ مولانا عبد اللطیف اثری، سن اشاعت: جون ر ۲۰۱۳ء)

مولانا عبد القادر حصاروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"الغرض حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عہد نبوی کا دستور العمل اور رواج واضح ہو گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک کے حکم میں ہیں جب اس کے ساتھ حدیث صحیح مسلم ملا دی جائے تو یہ دلیل سد سکندری سے بھی زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے جس کو مقلدین کا لشکر توڑنا چاہے تو کبھی نہیں توڑ سکتا ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ۔"

(فتاویٰ حصاریہ: ۶ر۳۴۷)

نواب صدیق حسن خان نے جس دلیل کو تمام دلیلوں کا گلا گھونٹنے والی کہا ہے اور جسے حصاروی صاحب نے سد سکندری قرار دے کر کہا کہ مقلدین کا لشکر بلکہ سب مقلدین مل کر توڑ نہیں سکتے، اسے غیر مقلدین کے

ایک ہی فرد مولانا شرف الدین دہلوی نے توڑ ڈالا۔ اس حدیث سے کئے جانے والے غیر مقلدین کے استدلال کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر دی ہیں۔ ستر سال کا عرصہ بیت چکا مگر میری معلومات اور یاد داشت کے مطابق آج تک کسی غیر مقلد نے دہلوی صاحب کی اس مضبوط تنقید کا جواب نہیں لکھا۔ مسئلہ تین طلاق کے عنوان پہ لکھی گئی غیر مقلدین کی بیسیوں کتابیں اور تحریریں بندہ نے پڑھی ہیں، کسی نے بھی دہلوی صاحب کے تنقیدی جائزہ پہ لب کشائی نہیں کی۔ اس سے یوں چپ سادھ لی ہے جیسے انہیں اس تنقید کا علم ہی نہ ہو۔ حالاں کہ یہ تنقیدی جائزہ محض کسی ماہ نامہ رسالہ یا اخبار کی زینت نہیں جو ایک بار شائع ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں تک پہنچتا ہے اور اکثر لوگ اسے حاصل نہیں کر پاتے۔ بلکہ یہ غیر مقلدین کے مشہور و معروف فتاوی "فتاوی ثنائیہ" میں موجود ہے جو پاک و ہند میں بار بار شائع ہو رہا ہے اور اُن کی ہر لائبریری میں موجود ہے۔ پی ڈی ایف میں بھی دستیاب ہے۔ مزید یہ کہ دہلوی صاحب کی یہ تنقید متین علمائے اہلِ سنت کی کتابوں (عمدہ الاثاث وغیرہ) میں بھی منقول ہو کر عام و خاص تک پہنچ چکی ہے۔ حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد صرف اتنا لکھ پائے:

> "باقی رہا مولانا شرف الدین دہلوی کا حوالہ تو اس کے متعلق ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ جب ہم اکابر ائمہ کرام کی بات بلا دلیل نہیں مانتے تو مولانا شرف الدین دہلوی کی کیسے مان لیں گے۔"
>
> (احسن الابحاث صفحہ ۶۳)

اس جگہ مسئلہ یہ نہیں کہ بلا دلیل کسی کی بات مانیں یا نہیں؟ بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ دہلوی صاحب نے اس حدیث کے جو ایک درجن جوابات دیئے ہیں اُن کا جواب الجواب چاہیے۔

غیر مقلدین انہیں جواب دینے سے کنارہ کشی کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں اس کی دو وجہ مجھے سمجھ آتی ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ دہلوی صاحب کے یہ مندرجات خود ساختہ نہیں بلکہ ان کی صحت محدثین سے ثابت ہے بلکہ خود محدثین نے اپنی کتابوں میں یہی کچھ لکھا ہوا ہے جیسا کہ اگلے صفحات سے قارئین جان لیں گے ان شاء اللہ۔

دوسرا یہ کہ حکیم صفدر عثمانی نے "احادیث پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ" عنوان قائم کر کے اپنی معروضات ذِکر کیں۔ اگر اس عنوان کے تحت دہلوی صاحب کے مناقشات کا جواب دیتے تو تاثر ملتا کہ غیر مقلدین

کے بیہقی وقت مولانا شرف الدین دہلوی نے اہل حدیث ہو کر حدیث پہ اعتراضات کئے ہیں۔ اس طرح کا تاثر حکیم صفدر وغیرہ غیر مقلدین کو وارے میں نہیں تھا۔ جناب! اگر آپ نے انہیں جواب دینے سے اس لئے گریز کیا کہ اُن کے پیرو نہیں، پیروی تو آپ علمائے اہلِ سنت کی بھی نہیں کرتے تو انہیں جواب دینے کی زحمت کیوں کر لی؟ یہاں بھی بس یہی کہہ دیتے کہ ہم ان کے پیرو نہیں۔

حکیم صاحب نے لکھا:

> ”ہم اس صحیح حدیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض صحیح نہیں مانتے، اسی لئے ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ یہ صرف حدیث اور اہلِ حدیث کی دشمنی میں سب کچھ کیا جارہا ہے۔“
>
> (احسن الابحاث صفحہ ۶۱)

حکیم صاحب نے اس عبارت میں ایک تو حدیث سے استدلال کے جواب کو حدیث پر اعتراض کا نام دیا۔ حالاں کہ حدیث سے کسی کے استدلال پر اعتراض کرنا اور چیز ہے اور حدیث پر اعتراض کرنا دوسری چیز ہے۔ مزید یہ کہ اگر حدیث سے کئے جانے والے کسی کے استدلال کی کمزوری ظاہر کرنا حدیث پر اعتراض ہے تو مولانا شرف الدین دہلوی حدیث پر اعتراضات کرنے والے ہوئے۔ مگر سارے غیر مقلدین انہیں حدیثوں پر اعتراض کرنے والا کہنے کی بجائے عاملِ حدیث ہی کہا کرتے ہیں۔

دوسرا حکیم صاحب نے حدیث سے کئے گئے استدلال کے جواب دینے کو اہلِ حدیث دشمنی سے تعبیر کیا مگر یہ بتایا جائے کہ کیا مولانا شرف الدین دہلوی نے بھی اہل حدیث دشمنی میں درجن بھر جوابات دیئے ہیں؟ اس حدیث سے کئے جانے والے استدلال کو اہل سنت مخدوش قرار دیں تو اہلِ حدیث دشمنی قرار پائے اور اگر وہی جوابات غیر مقلد عالم دے تو اہلِ حدیث دشمنی نہ ہو، یہ فرق کیوں ہے؟ کیا ماجرا ہے کہ آپ دہلوی صاحب کو اہلِ حدیث دشمنی کا طعنہ نہیں دیتے؟

مزید یہ کہ اس حدیث سے کئے جانے والے استدلال کے علمائے محدثین نے بھی جوابات دیئے ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں باحوالہ مذکور گا ان شاء اللہ۔ تو کیا اُن محدثین کی بابت بھی حکیم صاحب یہ جملہ ”یہ صرف حدیث اور اہلِ حدیث کی دشمنی میں سب کچھ کیا جارہا ہے۔“ کہیں گے؟

جواب شروع ہونے سے پہلے غیر مقلدین کے کچھ حوالے پڑھ لیں۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"کتاب وسنت سے استدلال کے لیے سلف صالحین کے فہم کو مدنظر رکھنا ضروری ہے"

(ماہنامہ الحدیث حضرو شمارہ:۱۲۱ صفحہ ۶۰ بحوالہ اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۷۲)

علی زئی صاحب نے مزید کہا:

"منافقین اور اہلِ بدعت بھی کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہیں، لہذا کتاب و سنت کا صرف وہی فہم معتبر ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے۔"

(اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۷۲)

شاہد نذیر غیر مقلد (کراچی) لکھتے ہیں:

"اہلِ حدیث کے نزدیک ایک مستند اصول ہے کہ قرآن و حدیث کو سلف صالحین کے فہم سے سمجھنا چاہیے۔ یہ قیمتی اور بنیادی اصول اہلِ حدیث مسلک میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔"

(اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۷۱)

شاہد نذیر نے یوں بھی لکھا:

"پس معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کو ذاتی فہم سے سمجھنے کی بجائے بذریعہ فہم سلف صالحین سمجھنا ہی محفوظ ترین راستہ ہے۔"

(اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۷۳)

شیخ غلام مصطفی ظہیر امن پوری غیر مقلد اپنے ویڈیو بیان میں کہتے ہیں:

"میں تو حافظ صاحب! یہاں تک کہتا ہوں اگر مجھے کوئی قرآن مقدس کی ایک ہزار آیات بینات پیش کرے اور وہ اپنے مطلب میں بالکل واضح ہوں یعنی وہ مسئلہ ان سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہو مگر سلف صالحین نے وہ مسئلہ اس سے ثابت نہ کیا ہو یا اس کے خلاف مسئلہ ثابت کیا ہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ قرآن تو حق ہے لیکن میرا فہم صحیح نہیں، فہم محدثین یا ائمہ دین کا صحیح ہے۔ یہ اک بنیادی خصوصیت ہے مسلک اہلِ حدیث کی، امتیازی حیثیت سے ایک بات ہے اہلِ

حدیث مسلک کی کہ یہ اپنی طرف سے قرآن وسنت کے مفاہیم بیان نہیں کرتے۔"

جو چاہے ظہیر صاحب کا یہ بیان مجھ سے بذریعہ واٹس ایپ منگوا کر خود ہی سن سکتا ہے۔

غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ کتاب وسنت کا وہی مطلب ومفہوم معتبر ہے جو اَسلاف نے سمجھا اور اختیار کیا۔اَب سوال یہ ہے کہ جن حدیثوں سے غیر مقلدین نے تین طلاقوں کا ایک ہونا لیا ہے، کیا ان احادیث سے اسلاف نے تین کا ایک ہونا اخذ کیا ہے؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ اسلاف تو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین مانتے ہیں جیسا کہ ہم اپنی اسی کتاب میں سلف صالحین کے اقوال مستقل باب میں نقل کر چکے ہیں۔

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ صحابہ تابعین و تبع تابعین سے لے کر سات سو سال تک سلف صالحین وتابعین ومحدثین سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں واحد شمار ہونا ثابت نہیں۔"

(فتاویٰ ثنائیہ: ۲/ ۲۱۷)

دہلوی صاحب کے اعتراف کے مطابق اسلام کی پہلی سات صدیوں کے اسلاف نے تین طلاقوں کا ایک ہونا اختیار نہیں کیا۔لہذا غیر مقلدین کا حدیثوں سے اسلاف کے خلاف مسئلہ کشید کرنا خود اُن کے اپنے اصول کی رُو سے بھی غلط ہے۔شاید کوئی غیر مقلد یہاں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے نام ذِکر کر دے تو اس کا پیشگی جواب اپنے مصنف شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کی زبانی سنتے چلیں۔انہوں نے لکھا:

"متقدمین کے مقابلہ میں متاخرین کی بات کب مسموع ہو سکتی ہے؟"

(نور العینین صفحہ ۱۳۷، طبع جدید)

علی زئی صاحب نے دوسری جگہ لکھا:

"یہ تمام علماء آٹھویں صدی ہجری یا اس سے پہلے گزرے ہیں ... ان سلف صالحین کے مقابلے میں تیرہویں صدی کے شوکانی (کی ارشاد الفحول) اور شر القرون کے دیگر اشخاص کی مخالفت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

(علمی مقالات: ۵/ ۱۰۸، مکتبہ اسلامیہ، اشاعت: ۲۰۱۲ء)

علی زئی صاحب کی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ متقدمین کے مقابلہ میں متاخرین کے قول کی کوئی حیثیت

نہیں ہے۔

اس کے برعکس جن حدیثوں سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کا کسی کو شبہ ہو سکتا تھا اَسلاف نے اس کا ازالہ کر دیا۔ آپ آئندہ صفحات میں اسلاف کے اقوال باحوالہ ملاحظہ فرمالیں گے ان شاء اللہ۔

غیر مقلدین میں ''بیہقی وقت'' کا لقب پانے والے عالم مولانا شرف الدین دہلوی صاحب مذکورہ حدیث سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قولِ مجیب مرحوم کہ محدثین کے نزدیک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کا حکم رکھتی ہیں بحدیث ابن عباس رضؓ کان الطلاق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و ابی بکر و سنتین من خلافة عمر رضؓ طلاق الثلاث واحدۃ۔(مسلم) اس استدلال میں بچند وجوہ کلام ہے۔ اول: یہ کہ اس میں مجلس واحد کا ذکر ہی نہیں، عام اس سے کہ مجلس ایک ہو یا تین، بلکہ اطہار ثلاثہ ہوں یا نہ اور جس روایت مسند احمد میں مجلس واحد کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں، اس کی سند بروایت عکرمہ عن عمران بن حصین ہے جس کو محدثین حافظ ابنِ حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایسی روایت خصوصاً صحیح نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو تقریب التہذیب۔ دوم: یہ کہ محدثین نے اس میں کلام کیا ہے جس کی تفصیل شرح مسلم امام نووی، فتح الباری وغیرہ میں ہے خصوصاً میری کتاب ''کتاب الطلاق'' ملاحظہ ہو۔ سوم: یہ کہ اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ یہ تین طلاقوں والے مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے سامنے پیش ہو کر فیصلہ ہو تا تھا اور یہ کسی روایت میں نہیں ہے وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ۔

چہارم: یہ کہ حدیث صحیح مسلم کی ایسی ہے جیسے دوسری حدیث صحیح مسلم کی جابر بن عبد اللہ صحابی سے ہے قال عطاء قدم جابر بن عبد اللہ معتمرا فجئناہ فی منزلة فساله القوم عن اشیاء ثم ذکروا المتعة فقال نعم استمتعنا علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و ابی بکر رضؓ و عمر رضؓ انتهیٰ وفی روایة اخری بعدہ ثم نهانا عمر فلم نعد لهما(متعة النساء و متعة الحج) صحیح مسلم مع

شرح نووی ص ۴۵۱ باب النكاح المتعة۔ پس جو جواب اس جابر کی متعة النساء کے جواز و عدم جواز کا ہے وہی حدیث ابن عباسؓ کا ہے اگر یہ جائز ہے تو پھر متعة النساء بھی جائز ہے ولایقول به المحدثون۔ پنجم: اس سے ثابت ہوا کہ یہ تین طلاقیں بحکم واحد یا متعة النساء بالا بالا لوگ بے خبری میں کرتے رہے جس کا علم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، نہ شیخین کو، آخر میں حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو منع کر دیا، ابن عباسؓ کی اس حدیث پر محدثین نے اور بھی کئی وجوہ سے کلام کیا ہے جس کی تشریح کچھ تو امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں کی ہے، کچھ اور بھی میں نے اپنی کتاب میں محدثین سے نقل کیا ہے۔ ششم: محدثین کی طرف مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں بھی کلام ہے۔ یہ سخت مطالعہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے لے کر سات سو سال تک سلف صالحین، صحابہ و تابعین و محدثین سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں واحد شمار تو ثابت نہیں مَنِ ادّعٰی فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ بِالْبُرْهَانِ وَ دُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ ملاحظہ ہو مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، سنن ابوداود، سنن النسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ و شرح مسلم امام نووی و فتح الباری و تفسیر ابن کثیر و تفسیر ابن جریر و كِتَابُ اَلْاِعْتِبَار لِلْاِمَامِ الْحَازِمِیّ فِیْ بِيَانِ النَّاسِخِ وَ الْمَنْسُوْخِ مِنَ الْآثَار، اس میں امام حازمی نے ابن عباس سے مسلم کی اس حدیث منسوخ بتایا ہے اور تفسیر ابن کثیر میں بھی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الآیۃ کے تحت ابن عباس سے جو صحیح مسلم کی حدیث تین طلاق کے ایک ہونے کی ہے، دوسری حدیث نقل کی ہے جو سنن ابو داود میں باب نَسْخُ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيْقَاتِ الثَّلَاثِ بسند خود نقل کی۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ اِذَا طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ فَهُوَ اَحَقُّ بِرَجْعَتِهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَنَسَخَ ذٰلِكَ فَقَالَ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ انتهى (عون المعبود ص ۲۲۵ ج ۲) امام نسائی نے بھی اسی طرح ص ۱۰۱ جلد ۲ میں باب منعقد کیا ہے، اور ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور حجت ہے جب ہی تو لائے ہیں، اور باب منعقد کیا ہے، اور ابن کثیر نے بھی سند ابی داود و نسائی و ابن ابی حاتم و تفسیر ابن جریری و تفسیر عبد الحمید و مستدرک حاکم وَ قَالَ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ، وَالتِّرْمِذِیُّ مُرْسَلًا وَّ مُسْنَدًا نقل کر کے کہا ہے کہ ابن

جریر نے ابن عباسؓ کی اس حدیث کو آیت مذکورہ کی تفسیر بتا کر اسی کو پسند کیا ہے، یعنی یہ کہ پہلے جو تین طلاق کے بعد رجوع کر لیا کرتے تھے، وہ اس حدیث سے منسوخ ہے، پس یہ حدیث مذکور محدث ابن کثیر و ابن جریر دونوں کے نزدیک صحیح ہے، جیسے کہ مستدرک حاکم صحیح اِسناد لکھا ہے، اور قابل اعتماد ہے، اور امام فخر الدین رازی کی تحقیق بھی یہی ہے... اور یہ لغو اعتراض کہ یہ ابن عباس کا سہو ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ابن عباسؓ کو سہو ہو گیا تھا، تو پھر ان کی مسلم حدیث میں بھی سہو ہے فلاحجة فیه... اور وجوہ کلام میں سے ہفتم: یہ ہے کہ محدثین نے مسلم کی حدیث مذکور کو شاذ بھی بتایا ہے۔ ہشتم: یہ کہ اس میں اضطراب بھی بتایا ہے، تفصیل شرح صحیح مسلم نووی، فتح الباری وغیرہ مطولات میں ہے۔ نہم: یہ کہ ابن عباس کی مسلم کی حدیث مذکور مرفوع نہیں، یہ بعض صحابہ کا فعل ہے جس کو نسخ کا علم نہ تھا کما فی الوجه الثالث والرابع۔ دہم: یہ کہ مسلم کی یہ حدیث بظاہرہ کتاب وسنتِ صحیحہ واجماعِ صحابہؓ وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے، لہٰذا حجت نہیں ہے۔"

(فتاویٰ ثنائیہ ۲/۲۱۶تا۲۱۹، دوسرا نسخہ ۲/۴۳تا۴۶)

تنبیہ :...... مولانا شرف الدین دہلوی کے فتوے کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا گیا اور باقی حصے ہماری اس کتاب میں متفرق مقامات پہ منقول ہیں۔

تنبیہ :۲...... غیر مقلدین کے رسالہ "الاعتصام" میں لکھا ہے:

"مولانا شرف الدین دہلوی محدث دہلویؒ (متوفی جولائی ۱۹۶۱ء) ہمارے اکابر علمائے اہلِ حدیث میں سے ہیں۔"

(الاعتصام لاہور، اشاعتِ خاص بیاد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صفحہ ۱۱۷۴)

مولانا شرف الدین کے فتوے کی توضیح وتشریح

غیر مقلد عالم مولانا شرف الدین دہلوی صاحب کا فتویٰ آپ پڑھ چکے ہیں، اس میں کافی باتیں اجمالی ہیں جو تفصیل کی محتاج ہیں اور بہت سی بحثیں خالص علمی ہیں جن کی توضیح وتشریح کی ضرورت ہے ذیل میں اس فتویٰ کی توضیح و تشریح اور پھر اس پر بندہ کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا جواب:

تین طلاق کو ایک قرار دینے والے کا دعویٰ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں ہیں جیسا کہ حافظ عبد الرحمن نے بھی لکھا ہے۔ دہلوی صاحب فرماتے ہیں: ”اس میں مجلس واحد کا ذکر ہی نہیں“ لہٰذا مسلم شریف کی یہ حدیث ان کے دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔ اگر وہ اس مبہم دلیل سے استدلال کرتے ہیں تب تو الگ الگ تین سالوں میں دی جانے والی تین طلاقوں کو بھی ایک کہنا چاہیے جب کہ ایسی متفرق تین طلاقوں کو خود غیر مقلد بھی نافذ مانتے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبد الستار حماد غیر مقلد لکھتے ہیں:

> ”اگر تیسری طلاق بھی دے دی جائے تو رشتہ از دواج ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا ہے تاہم عورت کے لیے عدت گزارنا ضروری ہے لیکن عام حالات میں اس سے رجوع نہیں ہو سکے گا۔ اب رجوع کی صرف ایک صورت ہے کہ وہ عورت کسی سازش کے طور پر نہیں بلکہ آباد ہونے کی نیت سے آگے کسی سے نکاح کرے اور وہ خاوند اس سے مجامعت کے بعد طلاق دے یا فوت ہو جائے تو عدتِ طلاق یا عدتِ وفات گزارنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔“
>
> (فتاویٰ اصحاب الحدیث ۲/ ۳۳۹)

حافظ عبد الستار حماد مزید لکھتے ہیں:

> ”اگر متعدد مجالس میں پیغامِ طلاق ارسال کیا ہے تو اس طرح تین طلاقیں ہی واقع ہو جائیں گی اور اَب رجوع کا کوئی موقع نہیں رہا۔“
>
> (فتاویٰ اصحاب الحدیث:۵/ ۳۵۵)

حماد صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ”طلاق کا نصاب پورا ہونے کے بعد عام حالات میں میاں بیوی اکٹھے نہیں ہو سکتے، البتہ دوسری جگہ شادی کرنا، پھر ہم بستر ہونے کے بعد اگر طلاق مل جائے تو پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔“
>
> (ہدایۃالقاری شرح بخاری:۵/ ۲۲۹)

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”متفرق اوقات کی طلاقِ ثلاثہ نصوص کتاب و سنت اور پوری امت کے اجماع کے مطابق تین طلاقیں قرار پاتی ہیں۔“

(تنویر الآفاق فی مسئلة الطلاق صفحہ ۱۱۸)

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”صورت مسئولہ طلاقیں واقع ہو گئیں (اَب اس کی سزا بھگتیں) ھدا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔“

(آثارِ حنیف بھوجیانی: ۱/۳۸۷، المکتبة السلفية شیش محل روڈ لاہور)

اس طرح کے غیر مقلدین کے مزید حوالہ جات ہماری اسی کتاب کے باب: ۱۱ حلالہ شرعی کی وضاحت میں مذکور ہیں۔

حدیثِ مسلم، مبہم ہے مگر غیر مقلدین ایک مجلس کی تین کو ایک کہتے ہیں اور کئی مجالس یا کئی طہروں یا کئی سالوں کی متفرق تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں۔ یہ فرق کیوں ہے؟

دوسرا جواب:

دہلوی صاحب فرماتے ہیں: ”محدثین نے اس حدیثِ مسلم میں طویل کلام یعنی جرح کی ہے... انتھیٰ

اگلی بات سن لیں کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ محدثین میں سے ایک محدث بھی مقلد نہیں تھا۔ (رفع العجاجة عن سنن ابن ماجة ۱/۳۶، اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۵۲) وغیرہ۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”عللِ حدیث کے ماہر علماء اگر ثقہ راویوں کی روایت کو ضعیف کہیں تو ان کی تحقیق کو تسلیم کیا جائے گا۔“

(نور العینین صفحہ ۱۳۴)

یہاں مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کی بھی سن لیں، وہ لکھتے ہیں:

”اسناده حسن کہنے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔“

(توضیح الکلام صفحہ ۷۰۶)

شیخ محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”صحیح مسلم کی صحیح پر محدثین کرام رحمہم اللہ و کثر سوادھم نے صحیح کا اطلاق کیا ہے کہ اس معنی سے ہرگز صحیح نہیں ہے کہ ان میں سب احادیث بلا استثناء متصل اور صحیح ہیں، اس میں کوئی ضعیف یا مجروح نہیں ہے یا ہر راوی کا سماع اپنے شیخ سے ثابت ہے۔ یہی سبب ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک صحیح مسلم کی روایت پر کلام کرتے آئے ہیں۔ اسی طرح کسی نے بھی نہیں کہا کہ اس کی ہر ایک روایت بالکل صحیح اور ہر علت سے خالی ہے متقدمین کی مثالیں کئی کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن متاخرین میں سے مولانا شرف الدین صاحب دہلوی مرحوم، مسلم شریف کی طلاق ثلاثہ کا ایک مجلس میں ایک ہی وقت میں جو دی جائے اور اس کا ایک شمار ہونے والی حدیث پر کلام کیا کرتا تھا اور صحیح قرار نہ دیتا تھا۔ یہاں پر میرا اس حدیث ”ماله و ماعليه “کو بیان کرنے کا مطلب نہیں کہ یہ حدیث واقعتاً ضعیف ہے، جس طرح مولانا مرحوم کہتے تھے۔ اس کا محل دوسرا ہے۔ سردست یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مسلم شریف کو متقدمین خواہ متاخرین نے کلام کرنے سے ماوراء نہیں سمجھا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً اس کی حدیث میں کلام کرتے آئے ہیں... صحیح مسلم شریف پر صحت کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ اگر اس کی کچھ روایات راوی کے ضعف یا کسی دوسری علت کی وجہ سے فی نفسہ ضعیف بھی ہیں تب بھی تعدد طرق کی وجہ سے صالح الاحتجاج بن جاتی ہیں۔“

(مقالاتِ راشدیہ:۸/ ۱۴۴،۱۴۳)

مسلم میں درج حدیث ابن عباس تعدد طرق سے مروی نہیں، جیسا کہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ اُن کی عبارت آئندہ باحوالہ ہم نقل کریں گے ان شاء اللہ۔

تیسرا جواب:

دہلوی صاحب نے جو تیسرا جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حدیثِ مسلم میں اتنی بات ہے کہ زمانہ نبوی میں تین طلاق کو ایک شمار کیا جاتا رہا ہے۔ اس میں یہ ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم تھا یا یہ کام آپ کی اجازت سے ہو رہا تھا۔

بعض کام ایسے بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوتے تھے لیکن آپ کو ان کی خبر تک نہ تھی مثلاً

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جنابت کے لیے تیمم کرتے وقت سر سے پاؤں تک سارے بدن کو الٹ پلٹ کر مٹی ملی تھی۔(بخاری ا/۵۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بحالتِ جنابت پانی نہ ملا تو نماز ہی نہ پڑھی۔(بخاری ا/۴۸)

تو کیا آپ کے عہد مبارک میں ہونے کی وجہ سے یہ کام جائز ہو گئے ؟(عمدۃ الاثاث صفحہ ۸۴)

زمانہ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں جو کام کئے گئے جب آپ کو ان کی اطلاع ملتی تو ان میں سے بعض کو غلط قرار دیتے جیسا کہ تیمم کے مسئلہ میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے عمل کو غلط کہا اور بعض کو صحیح کو قرار دیتے جیسا کہ حدیثِ بنی قریظہ میں ہے۔

لیکن زمانہ نبوی میں تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے معلوم ہی نہیں ہوا۔ اگر یہ کاروائی آپ تک پہنچتی اور آپ اسے جائز قرار دیتے تب اسے حدیث مرفوع کا درجہ حاصل ہوتا۔

دہلوی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کی اس کاروائی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ تھا ایسے ہی شیخین یعنی سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہا کو بھی اس کی اطلاع نہ تھی۔ بعد میں جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ۔

چوتھا جواب:

دہلوی صاحب فرماتے ہیں مسلم کی حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہا ایسے ہے جیسا کہ مسلم ہی کی دوسری حدیث ہے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں متعہ کرتے رہے پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کر دیا۔(صحیح مسلم وغیرہ)

یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی، وہ لکھتے ہیں:

”وَفِي الْجُمْلَةِ فَالَّذِيْ وَقَعَ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ نَظِيْرُ مَا وَقَعَ فِيْ مَسْئَلَةِ الْمُتْعَةِ سَوَاءٌ اَعْنِي قَوْلَ جَابِرٍ اَنَّهَا كَانَتْ تفعَلُ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرٍ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ قَالَ ثُمَّ نَهَانَا عُمَرُ فَانْتَهَيْنَا فَالرَّاجِحُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ تَحْرِيْمُ الْمُتْعَةِ وَاِيْقَاعُ الثَّلَاثِ... ۔“

(فتح الباری:۹/۷۵۷،بحوالہ حرام کاری سے بچئے صفحہ ۳۵۷، مکتبہ اہل السنہ والجماعہ وہاڑی)

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ تین طلاق کا یہ مسئلہ بعینہ متعہ کے مسئلہ کی طرح ہے یعنی حضرت جابر کا قول کہ متعہ کیا جاتا تھا عہدِ نبوی صدیقی اور خلافت عمر کے شروع تک پھر حضرت عمر نے ہمیں روکا تو ہم متعہ سے رک گئے۔ بس دونوں مسئلوں میں راجح متعہ کی حرمت اور تین اکٹھی طلاقوں کا وقوع ہے۔

اگر تین طلاقوں کو ایک اس لیے قرار دیا جاتا ہے کہ یہ عمل زمانہ نبوی، عہدِ صدیقی اور ابتدائے خلافتِ عمری میں ہوتا رہا ہے تو عورتوں سے متعہ کرنا بھی حدیثِ مسلم ہی کے مطابق اسی طویل زمانہ میں پایا جاتا رہا پھر تو متعہ بھی جائز ہونا چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ متعہ کا حرام ہونا تو دیگر احادیث سے ثابت ہے تو عرض ہے کہ تین طلاقوں کا تین ہونا بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے جیسا کہ مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے جواب نمبر ۱۰ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

پانچواں جواب:

دہلوی صاحب کے پانچویں جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ جو تین طلاقوں کو ایک سمجھتے رہے یا عورتوں سے متعہ کرتے رہے، یہ دونوں عمل بے خبری کی وجہ سے ان سے صادر ہوتے رہے۔ ان کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو نہ تھی جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو منع کر دیا اور تین طلاقوں کے تین ہونے کو نافذ فرما دیا۔ تین طلاقوں کے نفاذ کی یہ بات بھی حدیث ابنِ عباس کے آخر میں مسلم شریف میں موجود ہے مگر حافظ عبد الرحمن نے اس حدیث کا آخری حصہ کسی مصلحت کی وجہ سے درج ہی نہیں کیا، شاید یہی مصلحت ہے تاکہ لوگوں کو خلیفہ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اور تین طلاقوں کو سرکاری طور پر نافذ کر دینے کا علم نہ ہو جائے۔

رئیس محمد ندوی غیر مقلد نے اگرچہ حدیث مکمل نقل کی مگر ساتھ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر طعن بھی کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا:

”موصوف نے باعترافِ خویش اس قرآنی حکم میں ترمیم کر دی۔ اس قرآنی حکم میں موصوف نے یہ ترمیم کی تین [طلاقیں (ناقل)] قرار پانے لگیں۔“

(تنویر الآفاق صفحہ ۴۸۷)

سوال یہ ہے کہ اگر واقعۃً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شریعت کو بدل دیا تھا تو ایسا شخص خلیفہ راشد ہو سکتا ہے؟ نیز جو قرآنی حکم تبدیل کر دے اس کا کیا حکم ہے؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر شریعت بدلنے کا الزام لگانے والے اپنے فرقہ کے ''امام العصر'' مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد کی درج ذیل دل سوز تحریر پڑھیں:

''حضرت عمرؓ کی نسبت یہ تصوّر دلانا کہ انہوں نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو بدل دیا ڈالا، بہت بڑی جرأت ہے واللہ اس عبارت کو نقل کرتے وقت ہمارا دل دہل گیا اور حیرانی ہو گئی کہ ایک شخص جو خود مسئلہ کی حقیقت نہیں سمجھا وہ خلیفہ رسول اللہ کی نسبت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ سنت کے بدلنے میں اس قدر جری تھا استغفر اللہ استغفر اللہ۔''

(اخبار اہلِ حدیث ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء بحوالہ عمدۃ الاثاث صفحہ ۹۸)

دہلوی صاحب کے اس جواب بالا کے پیشِ نظر یہ کہنا درست ہے کہ تین طلاقوں کے ایک ہونے پر زمانہ نبوی اور عہدِ صدیقی میں اجماع ہر گز نہ تھا ورنہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ متعہ کے جواز پر دَورِ نبوی اور صدیقی میں اجماع رہا ہے جس طرح دوسرا دعوئے اجماع غلط ہے، اسی طرح اجماع کا دوسرا دعوی بھی صحیح نہیں۔

چھٹا جواب:

دہلوی صاحب نے چھٹے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(ا) صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور سات سو سال تک محدثین و سلف صالحین سے تین طلاق کو ایک سمجھنا ثابت نہیں۔ انتھیٰ

اس سے اگلی بات ہم ذکر کئے چلتے ہیں کہ حدیثِ ابن عباس ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور سلف صالحین کے سامنے بھی تھی مگر ان کا تین طلاقوں کے تین ہونے کو ماننا دلیل ہے کہ یہ حدیث تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی دلیل نہیں۔

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص حدیث سے مسئلہ مستنبط کرتا ہے تو اسے دیکھا جائے گا اگر امت کے عمل کے مطابق ہو تو ٹھیک ورنہ رد کر دیا جائے گا، کیوں کہ استنباط عمل ظنی ہے اور امت کا دائمی عمل قطعیت کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ متواتر بھی ہے۔ دائمی عمل کے خلاف استدلال مردود ہو گا۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۵۳)

دہلوی صاحب کے اس قول کہ "سلف صالحین سے تین طلاقوں کو ایک قرار دینا ثابت نہیں۔" کے بعد شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کا کلام پڑھئے، وہ لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ کتاب و سنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین کے اتفاق سے ثابت ہے۔"

(توضیح الاحکام ۱/ ۲۴، طبع مکتبہ اسلامیہ)

غیر مقلدین جو ضابطے دوسروں کو پیش کرتے ہیں خود بھی ان پر عمل کر لیں۔

علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ کتاب و سنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین اور علمائے اہلِ سنت سے بلا اختلاف ثابت ہے۔"

(توضیح الاحکام: ۳/ ۸۷، طبع مکتبہ اسلامیہ)

تعجب ہے کہ سلف صالحین کی خلاف ورزی کرنے والے غیر مقلدین اپنے آپ کو "سلفی" بھی کہتے ہیں!!

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن عباسؓ کی اس حدیث پر محدثین نے اور بھی کئی وجوہ سے کلام کیا ہے جس کی تشریح کچھ تو امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں کی ہے، کچھ اور بھی میں نے اپنی کتاب میں محدثین سے نقل کیا ہے۔"

(فتاویٰ ثنائیہ: ۲/ ۲۱۷)

دہلوی صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ محدثین نے حدیث ابن عباس کو قبول نہیں کیا ہے جب کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ حدیثوں کو محدثین کے فہم کی روشنی میں قبول کرنا ضروری ہے۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اہلِ حدیث اپنے عقیدے اور منہج کے مطابق ادلہ اربعہ سے بذریعہ محدثین کرام اور علمائے حق (سلف صالحین) کے فہم کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب دینے کے پابند ہیں۔"

(مقالات: ۵/۳۳۸، طبع مکتبہ اسلامیہ)

(۲) دہلوی صاحب نے چھٹے جواب میں دوسری بات یہ کہی ہے کہ حدیثِ ابن عباس منسوخ ہے اور اس کے نسخ پر دلائل دیتے ہوئے کہا کہ امام حازمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الناسخ و المنسوخ" میں اس حدیثِ ابن عباس کو منسوخ کہا ہے۔

امام ابو بکر محمد بن موسی الحازمی (وفات: ۵۸۴) فرماتے ہیں پہلے تین طلاقوں کے بعد مراجعت کا حق پہنچتا تھا مگر بعد کو بالاجماع یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ظاہر قرآن و حدیث اسی پر دال ہیں۔ (کتاب الاعتبار صفحہ ۱۸۱)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد ایک مسئلہ کے منسوخ نہ ہونے پر بزعم خود ایک دلیل یوں پیش کی:

"ناسخ و منسوخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً کتاب الحازمی، کتاب ابن شاہین، کتاب ابن الجوزی وغیرہ۔ ان کتابوں کے مصنفین نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں ذِکر تک نہیں کیا، ہے کوئی جو اِس موضوع کی کسی کتاب سے یہ مسئلہ نکال کر دکھائے؟"

(نور العینین صفحہ ۱۵۶، طبع جدید، سن اشاعت: اکتوبر/ ۲۰۱۲ء)

شیخ امان اللہ عاصم غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اگر جرأت ہے تو ناسخ و منسوخ پر لکھی گئی کتب میں سے کسی ایک کتاب سے یہ بات ثابت کر دیں کہ ان میں رفع یدین کو منسوخ قرار دیا ہو۔"

(مجرم کون؟ رفع یدین کرنے والے یا نہ کرنے والے صفحہ ۲۷، ادارہ نشر التوحید والسنۃ لاہور، اشاعت اول: جولائی ۲۰۱۲ء)

غیر مقلدین کی مزعومہ مرکزی دلیل: صحیح مسلم کی حدیثِ ابن عباس کا نسخ تو ناسخ و منسوخ پر لکھی گئی امام حازمی رحمہ اللہ کی کتاب سے دکھا دیا، چلیں اسے تو منسوخ مان لیں تاکہ پتہ چلے کہ آپ لوگوں نے مذکورہ اصول ماننے کے ارادے سے لکھا ہے۔

سنن ابی داود اور سنن نسائی میں نسخ کا باب قائم کر کے اسی کو ظاہر کیا گیا ہے، راویِ حدیث خود ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کے ایک ہونے کو منسوخ کہا ہے جیسا کہ ابو داود بَابُ نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيْقَاتِ الثَّلَاثِ میں ہے۔ پڑھئے:

"آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا تو وہی اس کی طرف رجوع کرنے کا زیادہ حق دار سمجھا جاتا تھا، خواہ تین طلاقیں دے چکا ہوتا۔ اس کو منسوخ کر دیا گیا اور فرمایا: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ (قابل رجوع) طلاق دوبار ہے۔"

(سنن ابی داود ۲/۶۷۶، حدیث:۲۱۹۵ ترجمہ مولانا عمر فاروق سعیدی غیر مقلد)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد اِس اَثر کے متعلق لکھتے ہیں:

"اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ"

(تخریج سنن ابی داود ۲/۶۷۶)

ترجمہ: اس کی اسناد حسن ہے۔

اور سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ بھی تین طلاقوں کے تین ہونے کا ہے۔ مولانا شرف الدین دہلوی صاحب کی طرح دیگر غیر مقلدین کو بھی اعتراف ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما تین طلاقوں کے وقوع کو مانتے ہیں جیسا کہ باب دوم میں باحوالہ مذکور ہے والحمد للہ۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ بعید نہیں کہ یہ روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے منسوخ ہو، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ان کو معلوم ہو اور پھر وہ دیدہ دانستہ اس کے خلاف عمل کرتے اور فتوی دیتے ہوں۔

(محصلہ سنن الکبری:۷/۳۳۸)

غیر مقلدین نے اعتراف کیا ہے کہ راوی اپنی روایت کردہ حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے چنانچہ مولانا بدیع الدین راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"قاعدہ مشہور ہے کہ الراوی ادری بمرویہ۔" (شرعی طلاق صفحہ ۳۰)

عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

”راوی اپنی بیان کردہ روایت کو زیادہ جانتا ہے۔“

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اور یہ ظاہر ہے کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتا ہے۔“

(الحدیث:۵۵/۳۲)

علی زئی مزید لکھتے ہیں:

”راویٔ حدیث کی تشریح بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے مقابلے میں راجح ہے۔“

(علمی مقالات:۳/۴۹۳)

علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”یہ بات طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ راویٔ حدیث کی روایت یا تشریح کے مقابلے میں معجم الکبری ہو یا کوئی دوسرا مثلاً ابو الحسن اللخمی وغیرہ ہو، اس کی بات ہمیشہ مردود ہوتی ہے“

(توضیح الاحکام:۲/۱۱۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متعہ اور تین طلاقوں کے ایک ہونے کی بات پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَقَدْ دَلَّ اِجْمَاعُهُمْ عَلٰى وُجُوْدِ النَّاسِخِ وَاِنْ كَانَ خَفِيَ عَنْ بَعْضِهِمْ قَبْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى ظَهَرَ لِجَمِيْعِهِمْ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ۔“

(فتح الباری:۹/۴۵۷، بحوالہ حرام کاری سے بچئے صفحہ ۳۵۷، مکتبہ اہل السنہ والجماعہ وہاڑی)

ترجمہ: اور صحابہ کا اجماع اس بات پہ دلیل ہے کہ پہلے حکم (یعنی اباحت متعہ اور تین طلاق کے بعد رجوع) کا ناسخ موجود تھا اگرچہ اس اجماع سے پہلے بعض صحابہ پر مخفی رہا حتی کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں سب پر ظاہر ہو گیا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”لَوْ سَلَّمْنَا اَنَّهٗ حَدِيْثٌ مُسْنَدٌ مَرْفُوْعٌ لِلنَّبِيِّ لَمَا كَانَ فِيْهِ حُجَّةٌ لِاَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ هُوَ رَاوِي الْحَدِيْثِ وَقَدْ خَالَفَهٗ بِعَمَلِهٖ وَفُتْيَاهُ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى نَاسِخٍ عِنْدَهٗ وَلَا يَصِحُّ اَنْ يُّظَنَّ بِهٖ اَنَّهٗ تَرَكَ الْعَمَلَ بِمَا رَوَاهُ مَجَّانًا وَغَالِطًا لِمَا عُلِمَ مِنْ جَلَالَتِهٖ وَوَرَعِهٖ وَحِفْظِهٖ وَتَثَبُّتِهٖ قَالَ اَبُوْ عُمَرَ بْنُ عَبْدِ

الْبَرِّ بَعْدَ اَنْ ذَکَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فُتْیَاہُ مِنْ طُرُقٍ مُتَعَدِّدَۃٍ بِلُزُوْمِ الطَّلَاقِ ثَلَاثًا مِنْ کَلِمَۃٍ وَاحِدَۃٍ مَّا کَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِیُخَالِفَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْخَلِیْفَتَیْنِ اِلٰی رَأْیِ نَفْسِہٖ۔‘‘

(المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۱۳/ ۷۹، ۷۸، بحوالہ حرام کاری سے بچئے صفحہ ۳۶۰)

ترجمہ: اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مذکورہ بالا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوع متصل ہے تب بھی تین طلاقوں کے ایک ہونے پر یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی کیوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو اِس حدیث کے راوی ہیں ان کا عمل اور ان کا فتوی اس کے خلاف ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث حضرت ان عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک منسوخ ہے اور اس کا ناسخ ان کے نزدیک ثابت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ بدگمانی صحیح نہیں کہ انہوں نے اپنی روایت کردہ حدیث پر جان بوجھ کر یا غلطی سے عمل چھوڑ دیا ہے کیوں کہ علم کے اعتبار سے ان کی جلالت شان، ان کا حافظہ، علم میں ان کی پختگی اور پرہیز گاری سب کو معلوم ہے۔ ابو عمر ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی متعدد اسناد کے ساتھ ذِکر کیا ہے کہ تین طلاقیں بیک کلمہ لازم ہو جاتی ہیں اس کے بعد ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی رائے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دو خلیفہ راشد کی مخالفت کریں۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’فَاَمَّا حَدِیْثُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَایَۃُ عَنْہُ بِخِلَافِہٖ وَاَفْتٰی بِخِلَافِہٖ۔‘‘

(الشرح الکبیر لابن قدامۃ: ۸/ ۲۶۰ بحوالہ حرم کاری سے بچئے، ناشر: مکتبہ اہل السنۃ و الجماعۃ وہاڑی، سن اشاعت: جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ)

ترجمہ: بہر کیف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تین طلاقوں کے ایک ہونے والی حدیث کے خلاف خود ان سے صحیح حدیثیں مروی ہیں اور ان کا فتوی بھی اس حدیث کے خلاف ہے۔

مولانا محمد جوناگڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت امام احمدؒ سے حضرت اثرم دریافت کرتے ہیں کہ آپ اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں جس میں ہے کہ تین ایسی طلاقیں زمانہ نبوی میں اور خلافت صدیقی و فاروقی میں ایک شمار کی جاتی تھیں تو آپ نے جواب دیا کہ اس کے راوی ابن عباسؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔“

(نکاح محمدی صفحہ ۲۰، ناشر اہل حدیث اکیڈمی موئناتھ بھنجن یوپی)

مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت ابنِ عباسؓ کی مسلم والی حدیث کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہوں لیکن ابن عباسؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے وہ تین کو تین ہی کہتے ہیں جیسے ابوداود (جلد ا صفحہ ۲۹۹) اور منتقی (صفحہ ۲۳۷) وغیرہ میں ہے ابن عباسؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہونا قوی شبہ ڈالتا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں۔“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں ضمیمہ تنظیم اہلِ حدیث روپڑ صفحہ ۳)

روپڑی صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”راوی کے مخالف ہونے کی صورت میں حدیث کو منسوخ یا متروک کہنا یہ بے شک حنفیہ وغیرہ کا مذہب ہے لیکن اہلِ حدیث بھی ایسے موقعہ پر دلیر نہیں کہ بے دھڑک قول صحابی کو چھوڑ دیں۔ آپ خیال نہیں کرتے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ میں اکثر متقدمین کیا مسلک رکھتے ہیں۔ ائمہ اربعہؒ اور جمہور اسی کے قائل ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہوتی ہیں۔ حالاں کہ مسلم کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہوتی ہے۔ ائمہ اربعہؒ اور جمہور تین طلاق واقعہ ہونے کے قائل کیوں ہوئے؟ بڑی وجہ اس کی یہی ہے کہ روای حدیث ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث قولِ صحابیؓ کو بے دھڑک نہیں چھوڑتے۔“

(فتاویٰ اہلِ حدیث ا/۵۰۴)

شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اس حدیث کے راوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود جہر سے پڑھتے تھے، اگر اس روایت میں جہر کی نفی ہوتی تو ابوہریرہ اس کے خلاف ہرگز عمل نہ کرتے۔"

(احکام البسملۃ صفحہ ۱۴۷، ناشر: دعوت اہلِ حدیث پبلی کیشنز حیدر آباد، اشاعت اول مارچ ۲۰۰۵ء)

کیا اس اصول کو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مسلم پہ چسپاں کرنے کے لئے تیار ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی تین طلاقوں کے تین ہونے کا ہے اگر حدیث مسلم میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کی بات ہوتی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کبھی اس کے خلاف فتوی نہ دیتے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی بیان کی کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور خود ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ وہ داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔ اس پر مولانا روپڑی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند لی ہے۔ ورنہ داڑھیاں بڑھانے کی حدیث کے راوی ہو کر ایک ناجائز کام کا ارتکاب نہ کرتے۔"

(فتاویٰ علمائے حدیث: ۳/۳۳۸)

مولانا ثناء اللہ مدنی غیر مقلد نے روپڑی صاحب کی عبارت کو اپنی تائید میں نقل کیا ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ: ۱/۷۸۶)

حاصل یہ ہے کہ غیر مقلدین کی تصریحات کے مطابق جب صحابی اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے یا عمل کرے تو وہ حدیث منسوخ ہوتی ہے اور یہ بھی کہ صحابی نے اپنے فتویٰ و عمل کے موافق کوئی اور حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی ہوتی ہے۔

جب متعدد غیر مقلدین کو یہ بات تسلیم ہے تو پھر اس کے باوجود ان کے حدیث ابن عباس سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کو کشید کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ یہ آپ زبیر علی زئی غیر مقلد کی زبانی معلوم کریں۔ وہ کسی بریلوی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”راوی کے عمل کے بعد اس روایت سے ... مسئلہ کشید کرنا راویِ حدیث کی صریح مخالفت کے مترادف ہے۔“

(نور العینین صفحہ ۲۲۴ طبع ۲۰۰۶ء)

اگر راوی کے عمل کے خلاف کوئی مسئلہ حدیث سے اخذ کرنا غلط ہے تو حدیثِ ابنِ عباس سے ان کے فتوے کے خلاف تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا مسئلہ کشید کرنا غلط کیوں نہیں ہو گا؟

نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں:

”مخالفت راوی از برائے مروی دلیل است بر آنکہ راوی علم ناسخ دارد چہ حمل آں بر سلامت واجب است۔

(دلیل الطالب صفحہ ۴۷۶)

یعنی راوی کی طرف سے اپنی روایت کردہ حدیث کی مخالفت کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ راوی ناسخ کا علم رکھتا ہے۔ بات کو اسی پر محمول کرنا باعث سلامتی اور واجب عمل ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث کی کسی نے تاویل کی تو شیخ محمد صدیق بن عبد العزیز غیر مقلد نے اس کا یوں جواب دیا:

”حضرت ابن عباس کا فعل اس توجیہ کے خلاف ہے۔“

(جمع بین الصلوٰتین صفحہ ۱۶، ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ سرگودھا)

کیا اس عبارت کے پیش نظر ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مسلم کو تین طلاقوں کے ایک ہونے کی دلیل بنانا ان کے اپنے فتوے کے خلاف ہے۔ غیر مقلدین سے یہ اُمید رکھ سکتے ہیں کہ وہ اپنا یہ اصول زیر بحث مسئلہ میں بھی قبول کریں۔

ساتواں اور آٹھواں جواب:

دہلوی صاحب نے کہا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو محدثین نے شاذ یعنی ضعیف اور مضطرب بتایا ہے...

دہلوی صاحب نے اس عبارت میں پہلی بات کہی کہ محدثین نے اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے۔ مولانا

ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی اقرار کیا ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حدیث شاذ و منکر ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے اس تفرد پر کلام کرتے ہوئے اسے شاذ اور منکر قرار دیا ہے۔ عموماً صحابہ کا عمل اس کے برعکس (اور) نہ ائمہ اربعہ کا مشہور روایت کے مطابق اس پر عمل۔“

(پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ صفحہ ۹۶)

غیر مقلدین کے ہاں مقلد جاہل کے حکم میں ہے اس لئے اثری صاحب کی عبارت میں ”علماء کی ایک جماعت“ کا مصداق غیر مقلد جماعت ہونا چاہیے۔ اس جماعت میں کون کون سے افراد شامل ہیں اثری صاحب اُن کے نام بتلا دیتے تو اچھا ہوتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”دَعْوٰی شُذُوْذِ رِوَایَةِ طَاؤُسٍ وَّھِیَ طَرِیْقَةُ الْبَیْہَقِیِّ۔ (فتح الباری: ۹/۳۱۷ بحوالہ حرام کاری سے بچیے صفحہ ۳۳۳، ناشر: مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سن اشاعت: جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ)

ترجمہ: مذکورہ حدیث کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت شاذ ہے امام بیہقی نے جواب کا یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وَھٰذَا الْحَدِیْثُ اَحَدُ مَا اخْتَلَفَ فِیْہِ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ فَاَخْرَجَہٗ مُسْلِمٌ وَتَرَکَہُ الْبُخَارِیُّ وَاَظُنُّہٗ اِنَّمَا تَرَکَہٗ لِمُخَالَفَتِہٖ سَائِرَ الرِّوَایَاتِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔“

(سنن الکبریٰ: ۷/۳۳۶، بحوالہ حرام کاری سے بچیے صفحہ ۳۳۶، ناشر: مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سن اشاعت: جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ)

ترجمہ: اور یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ایک ہے جن کی صحت کے بارے میں امام بخاری اور امام مسلم کا اختلاف ہے چنانچہ امام مسلم نے اس حدیث کو صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے

لیکن امام بخاری نے اس حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس لئے چھوڑا ہے کہ یہ حدیث ابن عباس کی دوسری صحیح روایات کے خلاف ہے۔(یعنی شاذ و منکر ہے)

امام ابو عوانہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بَابُ الْخَبَرِ الْمُبِيْنِ اَنَّ طَلَاقَ الثَّلَاثِ كَانَتْ تُرَدُّ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ اِلٰى وَاحِدَةٍ وَّبَيَانِ الْاَخْبَارِ الْمُعَارِضَةِ لَهٗ الدَّالَّةِ عَلٰى اِبْطَالِ اسْتِعْمَالِ هٰذَا الْخَبَرِ وَاَنَّ الْمُطَلِّقَ ثَلَاثًا لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔

(مستخرج ابی عوانہ:۵/۲۳۱،بحوالہ حرام کاری سے بچئے صفحہ ۳۳۳)

ترجمہ: اس باب میں ایک تو اس حدیث کا بیان ہے جس میں ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابی بکر میں تین طلاقوں کو ایک کی طرف لوٹایا جاتا تھا دوسرا ان حدیثوں کا بیان ہے جو اس حدیث کے معارض ہیں یعنی وہ حدیثیں اس بات دلالت کرتی ہیں کہ اس حدیث پر عمل کرنا باطل ہے اور جو آدمی اکٹھی تین طلاقیں دے اس کے لیے اس کی بیوی تب حلال ہو گی جب وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”لِاَنَّ حَدِيْثَ طَاءُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قِصَّةِ اَبِي الصَّهْبَاءِ لَمْ يُتَابِعْ عَلَيْهِ طَاءُسٌ وَاَنَّ سَائِرَ اَصْحَابِ بْنِ عَبَّاسٍ يَرْوُوْنَ عَنْهُ خِلَافَ ذٰلِكَ... وَمَا كَانَ بْنُ عَبَّاسٍ لِيَرْوِيَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَيْئًا ثُمَّ يُخَالِفُهٗ اِلٰى رَأْيِ نَفْسِهٖ بَلِ الْمَعْرُوْفُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اَنَا اَقُوْلُ لَكُمْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ قَالَهٗ فِيْ فَسْخِ الْحَجِّ وَغَيْرِهٖ وَمِنْ هُنَا قَالَ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ اَنَّ حَدِيْثَ طَاءُسٍ فِيْ قِصَّةِ اَبِي الصَّهْبَاءِ لَا يَصِحُّ مَعْنَاهُ۔“

(الاستذکار:۶/۱۱۰،بحوالہ حرام کاری سے بچئے صفحہ ۳۳۳)

ترجمہ: طاؤس کی وہ حدیث جو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں اور اس میں ابو الصہباء کا قصہ ہے۔ اس حدیث کے راوی طاوس نے ابو الصہباء کی موافقت نہیں کی،

اور نہ طاؤس کا اس حدیث میں کوئی قوی متابع ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگردان سے اس کے خلاف روایت کرتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ شان نہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چیز نقل کریں، پھر اپنی رائے کی وجہ سے اس کی مخالفت کریں بلکہ ان کی یہ بات مشہور ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں تمہارے سامنے بات کرتاہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی۔ اور تم کہتے ہو ابو بکر اور عمر۔ فسخ الحج وغیرہ کے بارے میں ان کا یہ قول منقول ہے، اسی وجہ سے جمہور علماء کہتے ہیں ابو الصہباء کے قصہ میں طاؤس کی حدیث معنا صحیح نہیں۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ مسلم کی حدیث ابن عباس شاذ ہے اور غیر مقلدین کو یہ بھی اعتراف ہے کہ شاذ ضعیف ہوتی ہے۔

شیخ علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”شاذ روایت ضعیف ہوتی ہے۔“

(نور العینین صفحہ ۲۰۸، سن اشاعت: اکتوبر ر ۲۰۱۲ء)

اعتراض: طاؤس کا تفرد مضر نہیں

عمران شہزاد تارڑ غیر مقلد لکھتے ہیں:

”طاؤس پر اعتراض اور اس کے تفرد پر لب کشائی بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔“

(حلالہ سنٹرز اور خواتین کی عصمت دری صفحہ ۵۶)

الجواب:

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اگر مان لیا جائے کہ امام حسن بصری نے فی الواقع ابن عمر سے ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے تو کوئی شک نہیں کہ حسن بصری ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کی نقل کرنے میں منفرد ہیں کسی بھی دوسرے راوی کا ان الفاظ میں روایت مذکورہ کی نقل میں حسن بصری کی موافقت و متابعت کرنا ثابت نہیں ہے۔“

(تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق صفحہ ۳۵۶)

اگر حسن بصری کا تفرد مضر ہے تو طاؤس کا تفرد مضر کیوں نہیں ہو سکتا۔ اور یہ صرف امکان ہی نہیں بلکہ علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے تفرد کی بنیاد پہ اس پر کلام کیا۔

چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے مسلم کی زیر بحث حدیث / حدیث ابن عباس کے متعلق لکھا:

"علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے اس تفرد پر کلام کرتے ہوئے اسے شاذ اور منکر قرار دیا ہے۔"

(پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ صفحہ ۹۶)

اوپر مولانا شرف الدین دہلوی صاحب کی عبارت منقول ہوئی اس میں ایک بات تو یہ تھی کہ زیر بحث حدیث شاذ ہے اور بندہ نے اس کے شاذ ہونے پر حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں۔ اس عبارت میں دہلوی صاحب نے دوسری بات یہ لکھی کہ زیر بحث حدیث مضطرب ہے۔ اس کے مضطرب ہونے پر حوالہ ملاحظہ ہو۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَاكَانَ فِيهِ حُجَّةٌ لِلِاضْطِرَابِ وَالِاخْتِلَافِ الَّذِيْ فِيْ سَنَدِهٖ وَمَتْنِهٖ۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۱۳/ ۸۹، بحوالہ حرام کاری سے بچئے صفحہ ۳۳۰، ناشر: مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ وہاڑی، سن اشاعت: جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ)

ترجمہ: اس میں حجت نہیں اس اضطراب واختلاف کی وجہ سے جو اس کی سند و متن میں ہے۔

پھر اس کے بعد علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس اضطراب کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور اضطراب کا کیا حکم ہے؟ یہ آپ غیر مقلدین کی زبانی جانیں۔

شیخ علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ اضطراب والی روایت ضعیف ہوتی ہے"

(علمی مقالات: ۳/ ۸۴)

شیخ عبد الوارث ضیاء الرحمن اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ان روایات کی تضعیف کے لئے ان الفاظ کا اضطراب و منکر ہونا ہی کافی ہے۔"

(گردن کا مسح ایک تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۱، سلفی دار الاشاعت دہلی)

نواں جواب:

دہلوی صاحب نے نواں جواب یہ دیا ہے کہ حدیثِ ابنِ عباس مرفوع نہیں، یعنی حدیثِ نبوی نہیں ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مرفوع بالفاظِ دیگر حدیثِ نبوی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قولی (۲) فعلی (۳) تقریری۔

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہوا ہے:

"حدیث اس کو کہتے ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے فرمایا یا ،خود کیا یا جو حضرتؐ کے سامنے ہوا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو درست رکھا۔ سو جو زبان سے فرمایا اس کو حدیثِ قولی کہتے ہیں اور جو کیا اس کو حدیثِ فعلی کہتے ہیں اور جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا [اور آپ نے خاموشی اختیار کی ہو] اس کو حدیثِ تقریری کہتے ہیں"

(شرح بلوغ المرام صفحہ ۴۵)

حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ لوگ عہد نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے تھے۔ یہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، نہ اپنا فعل ہے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتا رہا اور آپ کو اطلاع تھی مگر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ حاصل یہ کہ حدیثِ نبوی کی تینوں قسموں: قولی، فعلی اور تقریری میں سے کوئی بھی نہیں۔

حافظ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

"فَلَيْسَ شَيْءٌ مِّنْهُ اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَهَا وَاحِدَةً اَوْ رَدَّهَا اِلَى الْوَاحِدَةِ وَلَا اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلِمَ بِذٰلِكَ فَاَقَرَّهُ وَلَا حُجَّةَ اِلَّا فِيْمَا صَحَّ اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَهُ اَوْ فَعَلَهُ اَوْ عَلِمَهُ فَلَمْ يُنْكِرْهُ۔"

ترجمہ: اس حدیث میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک قرار دیا ان (تین) کو ایک کی طرف لوٹایا تھا اور نہ اس میں

یہ چیز موجود ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا اور آپ نے اس کو برقرار رکھا اور حجت تو صرف اُسی چیز میں ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو یا کوئی کام کیا ہو یا آپ کو علم ہوا ہو اور آپ نے اس پر نکیر نہ فرمائی ہو۔

(محلی ابن حزم ۲۰۶/۱۰ بحوالہ عمدۃ الاثاث صفحہ ۸۴)

یہاں حافظ عبد المنان نور پوری غیر مقلد کی بھی سنتے جائیں۔ وہ صحابی کے قول و عمل کے حجت نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"دوسری وجہ اس کے دلیل اور قرینہ نہ بننے کی یہ ہے کہ موقوف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ فرمان ہے، نہ عمل، نہ ہی تقریر اور تصویب ہے۔ مرفوع ہے ہی نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول موقوف ہوتا ہے۔ یہ دین میں حجت نہیں بنتا۔ صحابی کا قول اور صحابی کا اپنا عمل دلیل نہیں بنتا۔ صحابی رضی اللہ عنہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب تقریر بیان کریں تو وہ دلیل ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل اور قول دلیل نہیں ہے۔ جب یہ دلیل نہیں تو پھر اس سے گنجائش کیسے ملی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ....: جو کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو اور اس کے علاوہ اولیاء کا اتباع نہ کرو۔"

(داڑھی کی شرعی حیثیت صفحہ ۱۹)

نور پوری صاحب کی یہی عبارت مقالات نور پوری صفحہ ۲۶۴، ۲۶۳ پہ بھی موجود ہے۔

مذکورہ عبارت میں جملہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ فرمان ہے، نہ عمل، نہ ہی تقریر اور تصویب ہے۔ مرفوع ہے ہی نہیں۔" ایک بار پھر پڑھ لیں۔ صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس کے متعلق یہ جملہ کہنا انتہائی مناسب ہے جیسا کہ ابن حزم ظاہری نے بھی کہا ہے۔

دسواں جواب:

دہلوی صاحب کہنا چاہتے ہیں اگر اس حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہی مطلب لیا جائے جو فریقِ مخالف لیتا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جائے تو اس اعتبار سے یہ حدیث محدثین کے مسلک کے خلاف ہے،

اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے اور کتاب و سنت کے بھی خلاف ہے۔ ہم اس کی مزید تفصیل عرض کر دیتے ہیں۔

(۱) غیر مقلدین اپنی کتابوں میں پُر زور یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ محدثین حدیثوں کی مراد و معنیٰ کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ (نیل الاوطار ۱/ ۱۵۶، عون الباری ۱/ ۲۷۶، تحفۃ الاحوذی ۱/ ۲۵۷) وغیرہ۔

حدیثوں کی مراد کو زیادہ جاننے والے یہ محدثین تین طلاقوں کو تین ہی کہتے ہیں لہٰذا ان کے فہم کے پیشِ نظر یہ کہنا درست ہے کہ حدیث ابن عباس تین طلاقوں کے ایک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

(۲) دہلوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیثِ ابن عباس سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کو اخذ کرنا اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے کیوں کہ صحابہ کرام کا اجماع ہے تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ مولانا شرف الدین دہلوی کی طرح دیگر اہلِ علم بلکہ جمہور کے نزدیک یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

ابو البرکات عبد السلام ابن تیمیہ متوفی ۶۲۱ھ فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے پر اجماع ہے۔ (منتقی الاخبار صفحہ ۲۳۷)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ترجمہ: تحریم متعہ اور اسی طرح تین طلاقوں کے تین ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اتفاق و اجماع واقع ہو چکا تھا اور ان کا اجماع خود اس امر پر دال ہے کہ ان کو ناسخ کا علم ہو چکا تھا اگرچہ اس سے پہلے بعض کو اس کا علم نہ ہو سکا، اب جو شخص اس اجماع کے بعد اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اجماع کا منکر اور اس کا تارک ہے اور جمہور کا اتفاق ہے کہ اجماع کے بعد اختلاف پیدا کرنا مردود ہے۔
>
> (فتح الباری ۹/ ۲۹۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو غیر مقلدین اپنا ہم مسلک کہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے "اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۵۴" پر انہیں غیر مقلد اور ماہ نامہ الحدیث شمارہ: ۸۹ پر اہلِ حدیث قرار دیا ہے۔

حافظ احمد بن عبد الحلیم المعروف ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ جمہور کا مسلک یوں نقل کرتے ہیں:

"وَلَمَّا ثَبَتَ عِنْدَهُمْ عَنْ أَئِمَّةِ الصَّحَابَةِ أَنَّهُمْ أَلْزَمُوا بِالثَّلَاثِ الْمَجْمُوعَةِ قَالُوا لَا يَلْزَمُونَ بِذٰلِكَ إِلَّا وَذٰلِكَ مُقْتَضَى الشَّرْعِ وَاعْتَقَدَ طَائِفَةٌ لُزُومَ هٰذَا الطَّلَاقِ وَأَنَّ ذٰلِكَ إِجْمَاعٌ لِكَوْنِهِمْ لَمْ

یَعۡلَمُوۡا خِلَافًا ثَابِتًا۔

(فتاویٰ ۳/ ۲۱ طبع مصر)

ترجمہ: اور جب ان کے نزدیک ائمہ صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے تین اکٹھی طلاقوں کو لازم قرار دیا ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام سے بلا دلیل شرعی ایسا نہیں ہو سکتا اور اس گروہ نے ان کے لزوم کا اعتقاد کیا اور یہ ان کے نزدیک اجماعی امر ہے کیوں کہ اس کے خلاف ان کے علم میں کچھ ثابت ہی نہیں ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔(شرح معانی الاثار ۲/ ۲۹) ہم ان کی عبارت آئندہ صفحات میں نقل کریں گے ان شاء اللہ۔

(۳) دہلوی صاحب کے بقول حدیثِ ابنِ عباس سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کا کشیدہ مطلب کتاب و سنت کے بھی خلاف ہے، لہٰذا یہ حجت نہیں....

مولانا ارشاد الحق اثری کا تبصرہ

کسی نے کہا کہ اگر کوئی حدیث درایت کے خلاف ہو تو اسے رد کر دیا جائے گا۔ پھر اس نے اس کی مثال میں حدیث قلتین کو پیش کر کے لکھا چوں کہ یہ حدیث درایت کے خلاف ہے اس لئے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن میں اسے شاذ قرار دیا کیوں کہ اس حدیث کا تعلق حلال و حرام سے ہے اور بجز عبد اللہ بن عمر کے اور ان سے صرف ان کے دو شاگردوں (عبد اللہ اور عبید اللہ) کے کوئی اور روایت نہیں کرتا۔(محصلہ)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد مذکورہ بات کا جواب دیتے ہوئے زیر بحث حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سامنے لائے اور پھر اس کی بابت یوں تبصرہ کیا:

”اسے بھی صرف حضرت ابن عباسؓ ہی روایت کرتے ہیں، اور ان کے تلامذہ میں طاؤس کے علاوہ کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا بلکہ سعید بن جبیر، عطاء مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار وغیرہ حضرت ابن عباس کا فتویٰ اس کے برعکس روایت کرتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے اس تفرد پر کلام کرتے ہوئے اسے شاذ اور منکر قرار دیا ہے۔ عموماً صحابہ کا عمل اس کے برعکس (اور) نہ ائمہ اربعہ کا مشہور روایت کے مطابق اس پر عمل۔“

(پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ صفحہ ۹۶)

اثری صاحب کی اس عبارت کو سیاق وسباق کے اضافہ کے ساتھ باب نمبر:۱۸ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اثری صاحب کی مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱)"اسے صرف حضرت ابن عباسؓ ہی روایت کرتے ہیں" دوسرے صحابہ کرام نے اسے روایت نہیں کیا۔

(۲)"ان کے تلامذہ میں طاؤس کے علاوہ کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا" یعنی اس اضافہ کے راوی طاؤس ہیں۔

(۳)"سعید بن جبیر، عطاء مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار وغیرہ حضرت ابن عباس کا فتویٰ اس کے برعکس روایت کرتے ہیں۔" یعنی مذکورہ بالا رواۃ حدیث نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی تین طلاقوں کے تین ہونے کا نقل کیا ہے۔

(۴)"علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے اس تفرد پر کلام کرتے ہوئے اسے شاذ اور منکر قرار دیا ہے۔" یعنی علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔

(۵)"عموماً صحابہ کا عمل اس کے برعکس" مطلب صحابہ کرام نے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ وہ تین طلاقوں کو تین ہی کہتے ہیں۔

(۶)"نہ ائمہ اربعہ کا مشہور روایت کے مطابق اس پر عمل" یعنی ائمہ اربعہ کا فتوی تین طلاقوں کے تین ہونے کا ہے، بالفاظِ دیگر اُن کا فتویٰ اُس استدلال کے مطابق نہیں جو اِس حدیث ابن عباس سے بعض نے کیا ہے۔

ایک اور جواب

امام نسائی رحمہ اللہ نے "بَابُ طَلَاقِ الثَّلَاثِ الْمُتَفَرِّقَةِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِالزَّوْجَةِ ، باب دخول سے پہلے عورت کو الگ الگ تین طلاقیں دینے کا بیان" کے تحت حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ذکر کیا ہے۔

اس کی تشریح میں غیر مقلدین نے "فائدہ" کا عنوان دے کر لکھا ہے:

> "اس حدیث کا عنوانِ باب سے تعلق اس طرح ہے کہ اس حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اِنَّ الثَّلَاثَ کَانَتْ... تُرَدُّ اِلَی الْوَاحِدِۃِ" تو یہ اس مطلقہ کے بارے میں خاص ہے جسے جماع سے پہلے طلاق دی گئی ہو، جب غیر مدخول بہا کو تین متفرق طلاقیں دی جائیں گی تو پہلی طلاق ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاقیں بے محل ہونے کی وجہ سے لغو قرار پائیں گی۔ اس چیز کو بتانے

کے لیے امام نسائی نے یہ عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت مذکورہ حدیث ذکر کی ہے۔“

(نسائی مترجم:۳/۳۹۹،ح۳۴۳۵)

سنن نسائی مترجم پر تقدیم مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد اور مراجعت ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار الفریوائی غیر مقلد کی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ إِلٰى أَنْ قَالَ هٰذَا لَفْظُ الْحَدِيْثِ وَهُوَ أَصَحُّ إِسْنَادًا الخ۔

(زاد المعاد:۴/۶۱)

ترجمہ: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری سے قبل تین طلاق دے دیتا تو وہ حضرات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت کے ابتدائی دَور میں ان کو ایک قرار دیتے تھے (پھر فرمایا) یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جو صحیح ترین سند سے ثابت ہے۔

الحاصل مسلم میں حضرت ابن عباس کی روایت غیر مدخول بہا سے متعلق ہے ہر مطلقہ کے بارے میں نہیں ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ متفرق طور پر انت طالق، انت طالق، انت طالق سے اس کو طلاق دی گئی ہو۔ (عمدۃ الآثاث صفحہ ۹۵)

حدیثِ رکانہ رضی اللہ عنہ پر بحث

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بعد مخالف کی طرف سے جو دوسری مزعومہ دلیل پیش کی جاتی ہیں اب آتے ہیں اس کی طرف۔ اس حدیث کو حافظ عبد الرحمن صاحب نے ابو داود اور مسند احمد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ پہلے ابو داود والی روایت کی حیثیت ملاحظہ فرمائیں۔

روایت رکانہ ابو داود والی کی حیثیت

حافظ عبد الرحمن:

صحابیؓ رسولؐ حضرت رکانہؓ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مطہرہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا: (راجع امر أتک) اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرلے تو اس نے جواب دیا (طلقتھا ثلاثا) میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (علمتھا) مجھے معلوم ہے تو اپنی بیوی سے رجوع کرلے۔ (صحیح ابوداؤد مسند احمد)

الجواب:

ابوداود جلد ۱ صفحہ ۲۹۸ میں یہ روایت تو موجود ہے مگر اس سے استدلال کرنا چند وجوہ سے درست نہیں ہے۔

پہلی وجہ:

اس کی سند میں بعض بنی رافع راوی مجہول ہے۔ علامہ ابنِ حزم ظاہری فرماتے ہیں:

"بعض بنی رافع مجہول ہے اور مجہول سند سے حجت قائم نہیں ہوسکتی۔"

(محلی ابنِ حزم ۱۰/۱۶۸)

یاد رہے کہ ابنِ حزم ظاہری کو غیر مقلدین اپنا غیر مقلد کہتے ہیں۔ (نزل الابرار: ۱/۱۲۵، علمی مقالات: ۲/۲۴۵، الحدیث: شمارہ: ۹۱ صفحہ ۳۸، تحریک آزادئ فکر صفحہ ۳۵۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رکانہ کی وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں وہ حدیث ضعیف ہے کیوں کہ اس میں مجہول راوی موجود ہے۔

(شرح مسلم: ۱/۴۷۸)

حافظ عبد الغفور غیر مقلد (خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث سرگودھا) لکھتے ہیں:

"اس میں ابنِ جریج اخبرنی بعض بن رافع کہہ کر روایت کرتے ہیں۔ بعض بنی رافع کو ائمہ حدیث نے مجہول کہا ہے اس میں طلاقِ ثلاثہ اور رجوع کا بھی ذکر ہے۔ امام نووی نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔" (البیان المحکم صفحہ ۴۸)

حافظ عبد الغفور صاحب ہی لکھتے ہیں:

"ابن جریج کی حدیث جو ضعیف ہے۔" (البیان المحکم صفحہ ۴۸)

حافظ عبد الغفور صاحب مزید لکھتے ہیں:

"بے شک ابن جریج کی حدیث ضعیف ہے۔" (البیان المحکم صفحہ ۵۲)

شیخ زبیر علی زئی نے حدیث رکانہ کی تخریج میں لکھا:

"اسنادہ ضعیف اخرجہ البیہقی :۳۳۹/۷ من حدیث ابی داود بہ، وھو فی مصنف عبد الرزاق، ح:۳۳۴ بعض بنی رافع مجھول۔"

(تخریج ابو داود، حدیث:۲۱۹۶)

اس عبارت میں علی زئی نے بھی راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مولانا عمر فاروق سعیدی غیر مقلد، حدیثِ رکانہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ حدیث ضعیف ہے۔"

(شرح ابو داود مترجم ۶۷۸/۲)

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اس حدیث کے ضعیف ہونے سے یہ ہر گز لازم نہیں آتا کہ اس سے مستفاد ہونے والا یہ حکم بھی غیر ثابت وغیر صحیح ہے۔"

(تنویر الآفاق صفحہ: ۴۱۲)

اس عبارت میں ندوی صاحب نے مذکورہ حدیث کو ضعیف الاسناد تسلیم کر لیا ہے۔

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد کا اعتراف بھی پڑھتے چلیں:

"ابو داود میں جو احادیث ہیں، وہ بھی الگ الگ واقع ہیں، جو درج ذیل ہیں: (۱) راوی نافع... رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی۔ (۲) روای ابن جریج... ابو رکانہ نے ام رکانہ کو تین طلاقیں دیں۔ ابو داود پہلی روایت کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ لیکن ابنِ حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں ہی ضعیف ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی ضعیف ہے اور دوسری ضعیف تر۔"

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل صفحہ ۵۵)

کیلانی صاحب کی اس عبارت میں اعتراف ہے کہ تین طلاقوں کے ایک ہونے کی بابت حدیث رکانہ ضعیف تر ہے۔ اس بات سے تو ہمارا اتفاق ہے مگر طلاق بتہ والی حدیث ابی داود ضعیف نہیں ہے، جیساکہ اس کی صحت پر پہلے باب...میں بحث ہو چکی ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں شیخ العرب والعجم کا لقب پانے والے مصنف مولانا بدیع الدین راشدی بعض بنی رافع کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس روایت کو اصالۃً پیش کرنے سے کنارہ کش ہو گئے اور اسے تائیداً پیش کرنے کی طرف مجبور ہوئے۔ چنانچہ وہ مصنف عبدالرزاق سے روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:

"اس روایت میں ایک راوی بعض بنی رافع بظاہر نامعلوم ہے لیکن...یہ حدیث شہادت اور تائید کے لیے کافی ہے۔ یہ روایت ابوداود ص۴۹۸ میں بھی ہے۔"

(شرعی طلاق صفحہ ۲۸)

شیخ محمد یحیٰ عارفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جھنگوی اہلِ حدیث کی دلیل نمبر ۲ کے تحت سنن ابی داود سے رکانہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک ضعیف روایت کو اہلِ حدیث کا مستدل قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے..."

(تحفۂ احناف صفحہ ۲۴۴)

عارفی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"اہلِ حدیث حضرات ابوداود کی ضعیف روایت سے قطعاً استدلال نہیں کرتے بلکہ جس حدیث رکانہ سے اہلِ حدیث استدلال کرتے ہیں وہ ابوداود میں مذکور ہی نہیں بلکہ مسند احمد میں ہے۔"

(تحفۂ احناف صفحہ ۲۴۵)

عارفی صاحب نے ابوداود کی حدیث رکانہ کو ضعیف قرار دے کر اس سے ہاتھ ہٹالیا ہے۔ باقی رہا ان کی طرف سے یہ کہنا کہ اہلِ حدیث لوگ ابوداود کی حدیث رکانہ سے استدلال نہیں کرتے غلط ہے کیوں کہ مدعیان اہلِ حدیث اس سے استدلال کیا کرتے ہیں، حافظ عبدالرحمن نے بھی اسی کا حوالہ دیا ہے مزید تفصیل کے لئے ہماری

اسی کتاب کا ”باب نمبر:۲۱، غیر مقلدین کی غلط بیانیاں“... دیکھئے۔

عارفی صاحب نے مسند احمد کی حدیث کو غیر مقلدین کا مستدل قرار دیا ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے اس کے ضعف پر حوالہ جات آگے ”حدیثِ رکانہ مسند احمد والی کی حیثیت“عنوان کے تحت آرہے ہیں ان شاءاللہ۔

قارئین کرام !آپ علامہ ابنِ حزم ،امام نووی، اور شیخ زبیر علی زئی وغیر ہم کے حوالے اوپر پڑھ چکے کہ حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ کی سند کا راوی مجہول ہے۔اب اگلی بات جانئے کہ مجہول راوی کی روایت کا درجہ کیا ہوتا ہے؟

ابو یزید عبد القاہر غیر مقلد تسلیم کرتے ہیں کہ سند میں مجہول راوی کا ہونا وجہ ضعف ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”حدیث دَابن عباسؓ کنبے صرف بعض بنی رافع مجهول الحال دے چہ دایو علت دے۔“

(التحقیقات فی رد الهفوات صفحہ ۶۴۹)

ترجمہ: حدیث ابن عباس میں صرف بعض بنی رافع مجہول ہے صرف یہی ایک ہی علت ہے۔

یہ حوالہ مولاناعبد الرحمن صاحب حفظہ اللہ (پشاور) نے مہیا کیا ہے۔اللہ انہیں جزائے خیر عطاء کرے، آمین۔

غیر مقلدین کے ”محدث العصر“ شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

”مجہول راوی کی روایت موضوع ہونے کے لیے دیکھئے: حافظ ذہبی کی تلخیص المستدرک۔“

(علمی مقالات:۴/ ۳۰۷)

علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”یہ روایت ان مجہول راویوں کی وجہ سے موضوع ہے۔“

(توضیح الاحکام:۲/ ۳۸۳)

اس کے ساتھ علی زئی صاحب کی درج ذیل عبارت بھی پڑھیں:

”کذاب و وضاع کی روایت کو بطورِ حجت پیش کر کے ... علمی و تحقیقی اور فنی کمالات کا مظاہرہ نہیں کیابلکہ کذب بیانی کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔“

(توضیح الاحکام: ۲/ ۳۷۹)

علی زئی صاحب کی دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ مجہول کی روایت موضوع (من گھڑت) ہوتی ہے اور موضوع روایت سے استدلال کرنا کذب بیانی کو فروغ دینا ہے۔ اگر بات ایسے ہی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حافظ عبد الرحمن وغیرہ آلِ غیر مقلدیت نے مجہول کی روایت کو بطورِ حجت پیش کر کے علی زئی اصول کی رُو سے کذب بیانی کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں نے بعض بنی ابی رافع کی تعیین محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع سے کی ہے۔ چنانچہ رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مستدرک میں "بعض بن رافع" کی جگہ پر محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع" کا نام لکھا ہے۔"

(تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق صفحہ ۴۱۱)

مگر یہ بھی ضعیف ہے۔

امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَعْمَرٌ وَاَبُوْہُ ضَعِیْفَانِ، معمر اور اس کا باپ (محمد بن عبید اللہ) دونوں ضعیف ہیں۔"

(سنن دار قطنی: ۱/ ۸۳)

امام ابن عدی رحمہ اللہ محمد بن عبید اللہ کی بابت فرماتے ہیں:

"وَھُوَ فِیْ عِدَادِ شِیْعَۃِ الْکُوْفَۃِ۔

(الکامل: ۶/ ۱۱۴)

ترجمہ: کوفہ کے شیعوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

فائدہ: شیعہ لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔ اور محدثین کا اصول ہے کہ بدعتی کی جو روایت اس کے مذہب کی تائید میں ہو وہ قبول نہیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ضَعَّفُوْہُ، محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔"

(الکاشف:۲/۱۹۷، میزان الاعتدال:۳/۶۳۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے محمد بن عبید اللہ کے متعلق کہا:

"ضعیف ہے۔"

(تقریب التہذیب:۱/۴۹۴)

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد کی رائے پہ تبصرہ

محمد بن عبید اللہ کے مجروح وضعیف ہونے کے حوالے پڑھ لینے کے بعد حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد کی رائے بھی جان لیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگرچہ بعض نے ضعیف کہا ہے لیکن کیا محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع ضعیف ہے؟ امام حاکم نے محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع سے مروی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ راوی صحیح الحدیث ثقہ ہے۔ امام ابن حبان کے نزدیک بھی یہ ثقہ ہے۔ محدث العصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانیؒ بھی اس روایت کو حسن قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو ان کی صحیح سنن ابی داود۔ پھر یہ دوسری حدیث کی تائید میں بھی قبول ہو سکتی ہے۔"

(احسن الابحاث صفحہ ۶۷)

حکیم صاحب کی عبارت میں چند باتیں ہیں جن کا تذکرہ مع تبصرہ درج ذیل ہے۔

(۱) حکیم صاحب نے "کیا محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع ضعیف ہے؟" لکھ کر سوال کر دیا۔ اپنی طرف سے دعوی نہیں کیا کہ یہ راوی ثقہ ہے۔ سوال کر دینا اور خود سے ضعیف نہ کہنا کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

(۲) حکیم صاحب کہتے ہیں کہ امام حاکم نے محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع سے مروی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ جی مگر امام ذہبی رحمہ اللہ نے تلخیص میں بجے تلے الفاظ میں تردید کر دی چنانچہ انہوں نے لکھا:

"قُلْتُ مُحَمَّدٌ وَاهٍ وَالْخَبَرُ خَطَاءٌ ، میں کہتا ہوں کہ محمد (بن عبید اللہ) ضعیف راوی ہے اور یہ حدیث خطاء ہے۔" (التلخیص للذہبی علی المستدرک:۲/۴۹۱)

مزید یہ کہ غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ امام حاکم تو کذاب راویوں کی من گھڑت روایات کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جب حاکم نے اس روایت کو ''صحیح علی شرط الصححین'' لکھا تو حافظ ذہبی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''لَا بَلْ مَوْضُوْعٌ ، وَالْعَبَّاسُ قَالَ الدَّارَقُطْنِیْ : کَذَّابٌ..'' اللہ کی قسم یہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ موضوع (من گھڑت) ہے اور عباس (بن ولید بن بکار) کے بارے میں دار قطنی نے فرمایا: کذاب ہے۔ (تلخیص المستدرک ۱۵۳/۱ح ۴۷۲۸)''

(علمی مقالات: ۲۹۹/۶، ۳۰۰)

علی زئی صاحب نے آگے لکھا:

''مستدرک کی تصنیف کے وقت وہ تغیر حفظ کا شکار ہو کر بہت شدید مجروح و کذاب راویوں کے بارے میں بھی جرحیں بھول گئے تھے اور کئی مقامات پر کذاب راویوں کی روایات کو صحیح کہہ دیا تھا۔''

(علمی مقالات: ۳۰۱/۶)

علی زئی صاحب نے دوسری جگہ ایک حدیث کی تخریج میں ''سَنَدُہٗ ضَعِیْفٌ جِداً'' حکم لگایا، پھر لکھا:

''حاکم نے صحیح کہا تو ذہبی نے رَد کرتے ہوئے فرمایا: بلکہ یہ سخت کمزور ہے، اس کی سند میں صالح بن حیان متروک ہے۔ صالح بن حیان کو جمہور محدثین نے مجروح قرار دیا ہے، لہذا یہ سند سخت ضعیف ہے۔''

(معانقہ و مصافحہ کے احکام و مسائل صفحہ ۴۷، مکتبہ اسلامیہ، سن اشاعت: ۲۰۱۷ء)

ابو محمد خرم شہزاد غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام حاکم ثقہ و صدوق ہونے کے ساتھ بہت زیادہ متساہل تھے، امام ترمذی کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی اور امام محمد بن عبد الرحمن سخاوی نے امام حاکم کو متساہل قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی تصنیف ''مستدرک'' میں ایک سو (۱۰۰) کے قریب موضوع (جھوٹی) روایات کی نشان دہی کی ہے، جن کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے یا سکوت کیا ہے۔ راقم کہتا ہے کہ ''مستدرک'' میں ان سے کہیں زیادہ من گھڑت روایات ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: میری زبردست خواہش ہے کہ یہ (امام حاکم) ''مستدرک''

تصنیف نہ کرتے کیوں کہ انہوں نے اس میں بے جا تصرف کر کے اپنی فضیلت میں بہت کمی کر لی ہے۔ امام ابن حبان کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ محدث العصر علامہ البانی نے امام حاکم کو متساہل قرار دیا ہے۔"

(اصولِ حدیث و اصول تخریج صفحہ ۲۵۳، ۲۵۲، مکتبۃ التحقیق والتخریج، اشاعتِ اول: اپریل ر ۲۰۱۷ء)

خرم شہزاد آگے لکھتے ہیں:

"الغرض متساہل محدثین کی مجہول راویوں کی توثیق کرنا کچھ وقعت نہیں رکھتا، لہٰذا جب اسماء الرجال و جرح و تعدیل کے امام احمد بن حنبل، امام یحیٰ بن معین، امام المحدثین امام بخاری وغیرہم جس راوی کو نہیں جانتے تو اس راوی کے متعلق متساہل محدثین کو کیسے معرفت حاصل ہو گئی، شاید اسی لئے امام ابن عدی نے فرمایا ہے کہ جس راوی کو جرح و تعدیل کے امام یحیٰ بن معین نہیں جانتے تو وہ راوی "مجہول" ہی ہے۔ والحمد للہ۔"

(اصولِ حدیث و اصول تخریج صفحہ ۳۶۰، مکتبۃ التحقیق والتخریج، اشاعتِ اول: اپریل ر ۲۰۱۷ء)

امام حاکم جب کذاب راویوں کی روایت تک کو صحیح کہہ دیتے ہیں تو انہوں نے تساہل برتتے ہوئے محمد بن عبید اللہ کی ضعیف روایت کو صحیح کہہ دیا تو اس سے وہ صحیح کیسے ہو گئی؟

(۳) حکیم صفدر عثمانی لکھتے ہیں:

"امام ابن حبان کے نزدیک بھی یہ ثقہ ہے۔"

عرض ہے کہ غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ امام ابن حبان متساہل ہے۔ وہ ضعیف راوی کو بھی تساہل کی وجہ سے ثقہ راویوں میں شمار کر لیتے ہیں چند نقول ملاحظہ ہوں:

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں۔"

(تحقیق الکلام صفحہ ۱ر۷۷)

مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں۔“

(خیر الکلام صفحہ ۲۵۲)

شیخ عبد الروؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں:

”واضح رہے کہ ابن حبان کا اس کو ثقات میں ذِکر کرنا معتبر نہیں کیوں کہ وہ مجاہیل کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔“

(القول المقبول صفحہ ۳۲۵)

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

”ابن حبان متساہل ہیں۔“

(توضیح الکلام صفحہ ۲/۲۶۹)

شیخ البانی ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

”وَاِنَّمَا وَثَّقَهٗ ابْنُ حِبَّانَ وَهُوَ مَعْرُوْفٌ بِتَسَاهُلِهٖ۔

(سلسلة احاديث الضعيفة:۱/۴٦٦)

ترجمہ: امام ابن حبان نے اگرچہ اس کی توثیق کی ہے، لیکن ابن حبان اپنے تساہل میں مشہور ہے۔

ایک اور راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذِکر کیا ہے مگر ان کا ثقات میں ذِکر کرنا معتبر نہیں۔

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۵۲۰)

مولانا محمد رفیق اثری لکھتے ہیں:

”ابن حبان کی توثیق کو ائمہ رجال کچھ وقعت نہیں دیتے۔“

(ہفت روزہ الاعتصام ۹/ ستمبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۸)

مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ابن حبان کا تساہل مشہور ہے، ذرا سے سہارے پر ثقوں میں شمار میں شمار کر لیتے ہیں۔“

(فتاویٰ اہلِ حدیث: ۲/۵۰۸)

مولانا عبد المنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مگر تصحیح میں ابن حبان اور ابن خزیمہ کا تساہل مشہور ہے۔"

(تعداد تراویح صفحہ ۳۴)

مذکورہ بالا حوالے مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی دام ظلہ کی کتاب "رکعات تراویح، ایک تحقیقی جائزہ" صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ سے منقول ہیں۔

مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"البتہ ابن حبان اور حاکم اس کی توثیق کرتے ہیں مگر اول یہ کہ ابن حبان اور حاکم کا تساہل مشہور ہے۔"

(فتاویٰ راشدیہ: ۱/۲۷۵، ناشر: نعمانی کتب خانہ لاہور، تاریخِ اشاعت: فروری/ ۲۰۱۲ء)

راشدی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"امام ابن حبان رحمہ اللہ علیہ جس طرح توثیق وتعدیل میں متساہل ہیں، اسی طرح جرح وغیرہ کے سلسلہ میں کافی جگہوں پر بہت زیادہ تشدد سے کام لیتے تھے۔"

(فتاویٰ راشدیہ: ۱/۵۴۵، ناشر: نعمانی کتب خانہ لاہور، تاریخِ اشاعت: فروری/ ۲۰۱۲ء)

راشدی صاحب دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"ابن حبان کا اس روایت کو اپنی صحیح میں لانا، اس کا صحیح ہونا اہلِ علم کے نزدیک ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔ صحیح ابن حبان کی کئی روایات پر ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے اور ان کو معلول یا ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر یہ کون سی بڑی بات ہے کہ یہ حدیث بھی ضعیف ان میں سے ہے۔"

(مقالات راشدیہ: ۹/۵۲، ۵۳، ناشر: المکتبۃ الراشدیہ نیو سعید آباد سندھ)

جب غیر مقلدین کے نزدیک بھی ابن حبان متساہل ہیں تو اُن کے محمد بن عبید اللہ کو ثقات میں شمار کرنے کی کیا وقعت ہے؟

ابو محمد خرم شہزاد غیر مقلد لکھتے ہیں:

”متساہلین کی توثیق مردود ہے۔“

(عید الاضحیٰ کے صحیح احکام ومسائل صفحہ ۷۹)

حکیم صاحب امام ابن حبان اور امام حاکم کی تصحیح کو کافی سمجھ رہے ہیں مگر اُن کے غیر مقلد نے کہہ دیا یہ دونوں بلکہ ان کے ساتھ مزید متساہل محدثین بھی ہوں تو بھی ان کی تصحیح کا اعتبار نہیں۔

(۴) شیخ البانی کی ”صحیح سنن ابی داود“ فی الوقت میرے پاس نہیں کہ مراجعت کی جاتی۔ اگر انہوں نے واقعۃً اس روایت کو حسن کہاہے تو یہ کئی وجوہ سے غیر معتبر ہے۔ ایک اس لیے کہ غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ متقدمین کے مقابلہ میں قولِ متاخرین کی کوئی حیثیت نہیں۔

(نور العینین صفحہ ۱۳۷، مکتبہ اسلامیہ، سن اشاعت: اکتوبر ر ۲۰۱۲ء)

دوسرا یہ کہ البانی صاحب فریق مخالف کے فرد ہیں۔

تیسرا یہ کہ شیخ زبیر علی زئی کہتے ہیں کہ البانی حدیث کی تصحیح وتضعیف میں من مانی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ”ابو قلابہ جو کہ مدلس نہیں تھے ان کے عنعنہ کو رَد کرنا اور ثوری جو کہ ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے ان کے عنعنہ کو قبول کرنا انصاف کا خون کرنے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے ضرور حساب لے گا۔ اس دن اس کی پکڑ سے کوئی نہ بچاسکے گا۔ تنبیہ: علامہ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ایک سند کو ابو قلابہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف کہا۔[حاشیہ صحیح ابن خزیمہ ج ۳ص ۲۶۸ تحت ح ۲۰۴۳] قَالَ : اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ لِعَنْعَنَۃِ اَبِیْ قَلَابَۃَ وَھُوَ مَذْکُوْرٌ بِالتَّدْلِیْسِ۔“ حالاں کہ ابو قلابہ کا مدلس ہونا صحیح نہیں ہے۔ جنہوں نے کئی سو سال کے بعد اسے مدلس کہا، انہوں نے اسے طبقۂ اولیٰ (جن کی روایات ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں) میں شمار کیاہے۔ اس کا ضعفاء سے تدلیس کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔ اس کی روایات کو تو علامہ البانی نے ضعیف کہاہے، مگر (اصول سے روگردانی کرتے ہوئے) سفیان ثوری مدلس عن الضعفاء (جو کہ بقول حاکم طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں) کی معنعن روایت ترک رفع الیدین کی تعلیقاتِ مشکوۃ میں تصحیح کر دی ہے۔“

(نور العینین صفحہ ۱۳۷، مکتبہ اسلامیہ، سن اشاعت: اکتوبر ۲۰۱۲ء)

چوتھا: اس روایت کی سند میں محمد بن عبید اللہ ہے شیخ البانی خود ہی اس راوی کو مجروح قرار دے چکے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے ان شاءاللہ۔

(۵) حکیم صاحب نے "کیا محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع ضعیف ہے؟" لکھا، جس سے تاثر مل رہا ہے کہ وہ خود اسے ثقہ کہنے کی ہمت نہیں کر رہے۔ پھر آخر میں درج ذیل جملہ لکھ کر: "یہ دوسری حدیث کی تائید میں بھی قبول ہو سکتی ہے۔" اس تاثر کو مضبوط کر دیا۔

حکیم صاحب اگر محمد بن عبید اللہ راوی ثقہ ہے تو اُن کی حدیث کو تائید میں پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر ضعیف ہے تو آپ کے اس سوال: "کیا محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع ضعیف ہے؟" کی کیا ضرورت تھی؟

حکیم صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ محدثین کرام کی طرح غیر مقلدین بھی محمد بن عبید اللہ کو ضعیف کہتے ہیں۔

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"متعدد ائمہ جرح و تعدیل نے محمد بن عبید اللہ کی تجریح کی ہے اور ابھی تک ہم کو موصوف کی متابعت کرنے والا دوسرا راوی نہیں مل سکا ہے۔"

(تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق صفحہ ۴۱۱)

شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"قُلْتُ وَهٰذَا اِسْنَادٌ ضَعِيفٌ جِدًّا مَعْمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ وَاَبُوْهُ كِلَاهُمَا مَنْكَرُالْحَدِيْثِ كَمَا قَالَ الْبُخَارِىُّ۔"

(سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة: ۲۳۹/۴)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ سند انتہائی ضعیف ہے کیوں کہ معمر اور اس کا باپ محمد بن عبید اللہ دونوں منکر الحدیث ہیں جیسا کہ امام بخاری کا قول ہے۔

لطف یہ کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی محمد بن عبید اللہ اور ان کے بیٹے معمر دونوں کو ضعیف مان لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"مَعْمَرٌ وَاَبُوْہُ ضَعِیْفَانِ، معمر اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔"

(زاد المعاد:۱/۱۹۸)

دوسری وجہ:

اس کی سند میں عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہے۔ غیر مقلدین کے "محقق العصر، شیخ الحدیث" جناب بشیر احمد حسیم صاحب نے عکرمہ کو حدیثیں گھڑنے والا کہا ہے جیسا کہ آگے "حدیث رکانہ مسند احمد والی کی حیثیت" عنوان کے تحت باحوالہ مذکورہ ہوگا۔حسیم صاحب کی نقل کردہ جرح کے مطابق حدیثِ رکانہ من گھڑت ثابت ہوتی ہے۔

تیسری وجہ:

سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے طلاق البتہ دی تھی۔

حدیثِ رکانہ کے پہلے راوی امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ جُرَیْجٍ اِنَّ رُکَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ ثَلَاثًا لِاَنَّهُمْ اَهْلُ بَیْتِهٖ وَهُمْ اَعْلَمُ بِهٖ۔

(ابو داود ا/۳۰۱)

ترجمہ: رکانہ کی یہ (بتہ والی) روایت ابنِ جریج کی روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں کیوں کہ بتہ والی حدیث ان کے گھر والے بیان کرتے ہیں اور وہ اس کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں۔

امام خطابی رحمہ اللہ (وفات:۳۸۸) نے حدیث رکانہ ثلاثا والی ذکر کرنے کے بعد لکھا:

"وَقَدْ رَوٰی اَبُوْدَاوٗدَ هٰذَا الْحَدِیْثَ بِاِسْنَادٍ اَجْوَدَ مِنْهُ اَنَّ رُکَانَةَ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ الْبَتَّةَ ...قَدْ یَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ حَدِیْثُ ابْنِ جُرَیْجٍ اِنَّمَا رَوَاهُ الرَّاوِیُّ عَلَی الْمَعْنٰی دُوْنَ اللَّفْظِ وَذٰلِكَ اَنَّ النَّاسَ قَدِ اخْتَلَفُوْا فِی الْبَتَّةِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هِیَ ثَلَاثَةٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ هِیَ وَاحِدَةٌ وَکَانَ الرَّاوِیُّ لَهٗ مِمَّنْ یَّذْهَبُ مَذْهَبَ الثَّلَاثِ فَحَکٰی اَنَّهٗ قَالَ اِنِّیْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا یُرِیْدُ الْبَتَّةَ الَّتِیْ حُکْمُهَا عِنْدَهٗ حُکْمُ الثَّلَاثِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔"

(معالم السنن للخطابی : ۲۸۹/۲)

ترجمہ: اور تحقیق امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے طلاق بتہ والی اس حدیث کو ایسی سند کے ساتھ بیان کیا جو تین طلاقوں والی حدیث کی سند سے زیادہ عمدہ ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ابن جریج کی حدیث میں روایت باللفظ نہ ہو بلکہ روایت بالمعنی ہو کیوں کہ ممکن ہے راوی کا مذہب یہ ہو کہ البتہ سے تین طلاقیں مراد ہوتی ہیں تو اس نے لفظ البتہ کی بجائے ثَلَاثًا کا لفظ ذِکر کر دیا۔ کیوں کہ اس کے نزدیک لفظ البتہ اور ثلاث کا ایک حکم ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ کا اصل واقعہ طلاق بتہ کا ہے لیکن راوی نے اپنے فہم کے مطابق لفظ البتہ کی جگہ ثَلَاثًا کا لفظ بول دیا ہے جس سے تین طلاق ہونے کی غلط فہمی پیدا ہو گئی پس سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث البتہ ہے جب کہ ثَلَاثًا والا مضمون راوی کی رائے ہے، حدیث نہیں۔ (حرام کاری سے بچیے صفحہ ۳۱۳)

قاضی عیاض رحمہ اللہ (وفات: ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

"وَلَعَلَّهُمْ سَمِعُوْا أَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُمْ يَعْتَقِدُوْنَ أَنَّ الْبَتَّةَ هِيَ الثَّلَاثُ، كَرَأْيِ مَالِكٍ فِيْهَا فَعَبَّرُوْا عَنْ ذٰلِكَ بِالْمَعْنٰى وَقَالُوْا: طَلَّقَهَا ثَلَاثًا لِاعْتِقَادِهِمْ أَنَّ الْبَتَّةَ هِيَ الثَّلَاثُ۔"

(اکمال لمعلم: ۱۱/۵)

ترجمہ: ممکن ہے کہ انہوں نے طلاق بتہ کا سماع کیا لیکن ان کا عقیدہ یہ ہو لفظ البتہ کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں جیسا کہ امام مالک کا مذہب یہی ہے، پھر انہوں نے اپنے اس مذہب کے مطابق روایت بالمعنی کی اور کہا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا کیوں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق البتہ لفظ کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَأَمَّا الرِّوَايَةُ رَوَاهَا الْمُخَالِفُوْنَ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرِوَايَةٌ ضَعِيْفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُوْلِيْنَ وَإِنَّمَا الصَّحِيْحُ مِنْهَا مَا قَدَّمْنَا أَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَلَفْظُ "الْبَتَّةَ" مُحْتَمَلٌ

لِلْوَاحِدَةِ وَالثَّلَاثِ وَلَعَلَّ صَاحِبَ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ الضَّعِيفَةِ اعْتَقَدَ اَنَّ لَفْظَ ''الْبَتَّةَ'' يَقْتَضِيُ الثَّلَاثَ فَرَوَاهُ بِالْمَعْنٰى الَّذِيْ فَهِمَهٗ فِيْ ذٰلِكَ۔''

(شرح مسلم:۱/۴۷۸)

''بہر حال وہ روایت جسے مخالفین بیان کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک قرار دیا تھا تو یہ ضعیف ہے اور مجہول راویوں کی روایت ہے۔ اور حضرت رکانہ کے طلاق سے متعلق تو البتہ والی روایت ہی صحیح ہے اور لفظ البتہ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے شاید کہ ضعیف روایت کے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ ''البتہ'' کا مقتضی (مراد) تین ہی ہے تو اپنی سمجھ کے اعتبار سے روایت بالمعنی کر دی۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے روایت بالمعنی والی یہی بات اپنی کتاب ''المجموع'' میں لکھی ہے۔(المجموع شرح المهذب:۱۷/۱۲۲)

اور یہی کچھ امام ابن الملقن رحمہ اللہ کہتے ہیں۔(البدر المنیر:۸/۱۰۵)

ثابت ہوا کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے ''بتہ'' لفظ سے طلاق دی تھی جسے بعض راویوں نے تین سمجھ کر ثلاثا کے لفظ سے بیان کر دیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ کی تین طلاق والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا:

''وَهٰذَا الْاِسْنَادُ لَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَةٍ رَوَوْا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فُتْيَاهُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ وَمَعَ رِوَايَةِ اَوْلَادِ رُكَانَةَ اَنَّ طَلَاقَ رُكَانَةَ كَانَ وَاحِدَةً۔''

(سنن بیہقی:۷/۵۵۵)

ترجمہ: اس حدیث کے ساتھ حجت قائم نہیں ہو سکتی کیوں کہ آٹھ راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ نیز حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی اولاد کی روایت یہ ہے کہ رکانہ نے ایک طلاق دی تھی۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (وفات:۴۶۳ھ) نے حدیث رکانہ ثلاثا نقل کرنے بعد لکھا:

”ھٰذَا حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ (خَطَاءٌ) وَاِنَّمَا طَلَّقَ رُکَانَۃَ زَوْجَتَہٗ اَلْبَتَّۃَ لَا کَذٰلِکَ رَوَاہُ الثِّقَاتُ اَھْلُ بَیْتِ رُکَانَۃَ الْعَالِمُوْنَ بِہٖ وَسَنَذْکُرُہٗ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ۔“

(الاستذکار:۹/۶)

ترجمہ: یہ حدیث منکر یعنی غلط ہے کیوں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی، رکانہ کے گھر کے ثقہ لوگ جو اِس قصہ کو بخوبی جانتے ہیں، وہ طلاق بتہ بیان کرتے ہیں، تین طلاقیں بیان نہیں کرتے اور ہم اس کو باب میں ذِکر کریں گے۔

صاحب مستدرک امام حاکم نے طلاق بتہ والی حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کی سند سے نقل کی۔ سند یہ ہے:

”محمد بن ادریس الشافعی عن عمه محمد بن علی بن شافع عن نافع بن عجیر بن عبد یزید عن رکانه بن عبد یزید“

پھر لکھا:

”قَدْ صَحَّ الْحَدِیْثُ بِھٰذِہِ الرِّوَایَۃِ فَاِنَّ الْاِمَامَ الشَّافِعِیَّ قَدْ اَتْقَنَہٗ وَحَفِظَہٗ عَنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَالسَّائِبِ بْنُ عَبْدِ یَزِیْدَ اَبُ الشَّافِعِ بْنِ السَّائِبِ وَھُوَ اَخُ رُکَانَۃَ بْنِ عَبْدِ یَزِیْدَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ شَافِعٍ عَمُّ الشَّافِعِیِّ شَیْخُ قُرَیْشٍ فِیْ عَصْرِہٖ۔“

(المستدرک علی الصحیحین:۱۹۹/۲)

ترجمہ: طلاق بتہ والی حدیث امام شافعی کی اس سند کے ساتھ صحیح ہے کیوں کہ امام شافعی نے اس حدیث کو رکانہ کے افراد خانہ سے ضبط اور حفظ کیا ہے۔ اور سائب بن عبد یزید، شافع بن السائب کا باپ اور سائب، رکانہ بن عبد یزید کا بھائی ہے اور محمد بن علی بن شافع، امام شافعی کا چچا ہے جو اپنے زمانہ میں قریش کا بزرگ تھا۔“

قاضی شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”وَاَثْبَتُ مَا رُوِیَ فِیْ قِصَّۃِ رُکَانَۃَ اَنَّہٗ طَلَّقَھَا اَلْبَتَّۃَ لَا ثَلَاثًا۔“ (نیل الاوطار:۲۴۶/۶)

ترجمہ: حضرت رکانہ کے واقعہ میں ثابت اور صحیح روایت یہ ہے کہ انہوں نے بتہ طلاق دی تھی۔

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد حدیث رکانہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ أَيْضًا عَنِ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ فِيهِ تَارَةً قِيلَ فِيهِ ثَلَاثًا وَتَارَةً قِيلَ وَاحِدَةً وَأَصَحُّهُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَأَنَّ الثَّلَاثَ ذُكِرَتْ فِيهِ عَلَى الْمَعْنٰى۔“

(تحفۃ الاحوذی:۲/ ۲۱۰، بحوالہ جواب مقالہ صفحہ ۱۰۳)

یعنی اور امام ترمذی نے امام بخاری سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے۔ اس میں کبھی ثَلَاثًا کے الفاظ اور کبھی وَاحِدَةً کے الفاظ کہے جاتے ہیں اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے اس عورت کو طلاق بتہ دی تھی اور الثلث (تین) کا ذکر (راویوں میں سے کسی کی طرف سے) بالمعنی کر دیا گیا ہے یعنی کسی راوی نے اَلْبَتَّہ کا معنی تین خیال کر کے اس کے ساتھ ہی اس کی تعبیر کر دی ہے۔

حافظ عبد الغفور غیر مقلد (خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث سرگودھا) طلاق کی دو قسموں: طلاقِ بائنہ اور طلاقِ مغلظہ کی تعریف لکھنے کے بعد ”طلاقِ بتہ“ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

”بتہ کے لفظی معنٰی کاٹنے کے ہیں ہر وہ طلاق جس سے نکاح ٹوٹ جائے اور میاں بیوی کا تعلق ختم ہو جائے اسے طلاقِ بتہ کہتے ہیں مذکورہ دونوں اقسام پر طلاق بتہ کا بھی استعمال ہوتا ہے۔“

(البیان المحکم صفحہ ۱۳)

غیر مقلدین کے خطیب حافظ عبد الغفور کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ طلاق بتہ کا اطلاق ایک اور تین دونوں پر ہوتا ہے۔

کسی راوی نے البتہ کا معنی تین سمجھ کر روایت بالمعنی کرتے ہوئے تین طلاقیں دینا روایت کر دیا یوں روایت بالمعنی کی وجہ سے حدیث کا مضمون بدل گیا۔ چند صفحات پہلے ہم یہی بات امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب ”شرح مسلم: ۱/ ۴۷۸“ سے نقل کر آئے ہیں۔

ہم نے محدثین کے حوالے نقل کر دیئے جن میں بتایا گیا ہے کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے طلاق بتہ دی تھی، نہ کہ تین طلاقیں۔ مخالف کو چاہیے کو وہ اس کے برعکس محدثین کے اقوال پیش کریں کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ تین طلاقیں دی تھیں، نہ کہ طلاق بتہ۔

حدیث ''البتہ'' سنن ابی داود کی حدیث ہے ہم باب دوم میں غیر مقلدین کی کتابوں: سیرت ثنائی صفحہ ۳۳۵، مقالاتِ نورپوری صفحہ ۴۰۷ سے حوالے نقل کر چکے ہیں کہ جس حدیث پر امام ابوداود سکوت اختیار کریں وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ اس حدیث پہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے تو تصریح فرمائی ہے کہ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔

امام غربائے اہلِ حدیث مولانا عبد الستار غیر مقلد لکھتے ہیں:

> ''اہلِ حدیث کے نزدیک تو صحاح ستہ کی کل احادیث اپنے اپنے محل موقع پر قابل عمل ولائق تسلیم ہیں۔''

(فتاویٰ ستاریہ: ۲/۷۵ دوسرا نسخہ صفحہ ۳۷)

عبد الستار صاحب نے جن کتابوں کی سب حدیثوں کو اہل حدیث کے ہاں ''قابل عمل ولائق تسلیم'' کہا ہے اُن میں سنن ابی داود بھی شامل ہے۔

تنبیہ: بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ ابن جریج شیعہ ہے اور شیعہ کی وہ روایت جو اُن کے مذہب کی تائید میں ہو وہ قابلِ قبول نہیں... اور یہ بھی یاد رہے کہ شیعہ مذہب میں تین طلاقوں کو ایک کہا جاتا ہے اور حدیث رکانہ کی سند میں ابن جریج موجود ہیں واللہ اعلم۔

حدیثِ رکانہ مسند احمد والی کی حیثیت

حافظ عبد الرحمن نے حدیث رکانہ کا دوسرا ماخذ مسند احمد بتایا ہے اب مسند احمد والی حدیث کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

جواب:۱

اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ غیر مقلدین کے مسلّم پیشوا قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

> ''اِبْنُ اِسْحَاقَ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ لَا سِیَمَا اِذَا عَنْعَنَ، ابن اسحاق حجت نہیں خصوصاً جب وہ عن کہہ کر روایت بیان کرے۔''

(نیل الاوطار ۱/ ۲۳۴)

غیر مقلدین کے مجدد نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:

”در سندش نیز محمد بن اسحاق است و محمد بن اسحاق حجت نیست۔“

(دلیل الطالب صفحہ ۲۳۹)

ترجمہ: اس کی سند میں بھی محمد بن اسحاق ہے اور محمد بن اسحاق حجت نہیں ہے۔

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”وَهُوَلَا يُحْتَجُّ بِمَاانْفَرَدَ بِهٖ۔“

(ابکار المنن صفحہ ۵۴)

ترجمہ: اور اس سے حجت نہیں لے جاتی جب کہ وہ منفرد ہو۔

مبارک پوری صاحب ہی لکھتے ہیں:

”فِيْ حِفْظِهٖ شَيْءٌ“ اس کے حافظہ میں کلام ہے۔

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۸۹)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”فَاِنَّهٗ انْفَرَدَبِهٖ مُحَمَّدُبْنُ اِسْحَاقَ وَلَيْسَ هُوَمِمَّنْ يُحْتَجُّ بِهٖ فِي الْاَحْكَامِ۔“

(عون المعبود ۱/۲۳)

اس حدیث کو روایت کرنے میں محمد بن اسحاق منفرد ہیں اور وہ احکام سے متعلقہ روایات میں حجت نہیں۔

شیخ عبد الرحمن معلمی یمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اِبْنُ اِسْحَاقَ مُتَكَلَّمٌ فِيْهِ وَفِيْ حِفْظِهٖ شَيْءٌ۔“

(التنکیل: ۲/۹۶ وھکذا فی: ۲/۱۲۳)

ترجمہ: ابن اسحاق متکلم فیہ ہیں اور ان کے حافظہ میں خرابی ہے۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے شیخ معلمی کے مقام کو یوں بیان کیا:

”موجودہ دَور کے مشہور عالم اور ذہبی عصر علامہ شیخ عبد الرحمن بن یحیی المعلمی الیمانی المکی رحمہ اللہ۔“

(توضیح الاحکام: ۳۲۶/۲، ناشر: مکتبۃ الحدیث حضرو اٹک)

غیر مقلدین کے "امام المحدثین" شیخ البانی لکھتے ہیں:

"وَمَا انْفَرَدَ بِهٖ فِيْهِ نَكَارَةٌ فَاِنَّ فِيْ حِفْظِهٖ شَيْئًا۔"

(ارواء الغلیل: ۴۴/۲)

ترجمہ: جس روایت میں وہ منفرد ہو، اس میں نکارت ہوتی ہے کیوں کہ اس کے حافظہ میں خرابی ہے۔

مولانا محمد اعظم غیر مقلد لکھتے ہیں:

"**محمد** بن اسحاق **ضعیف** ہے قَالَ يَحْيٰ بْنُ الْقَطَّانِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحَاقَ كَذَّابٌ ، قَالَ مَالِكٌ دَجَّالٌ مِّنَ الدَّجَاجَلَةِ ، **محمد** بن اسحاق جھوٹا اور دجال ہے۔"

(تعزیہ وماتم اور واقعہ کربلا صفحہ ۳۰)

حکیم فیض عالم صدیقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ہم نے یہاں کسی ابن اسحاق جیسے مسخرے، ابن ہشام جیسے تقیہ باز اور واقدی جیسے کذاب کو گھسنے نہیں دیا۔"

(خلافت راشدہ صفحہ ۷۷)

مذکورہ بالا "خلافتِ راشدہ" کا حوالہ مولانا عبد الرحمن عابد (پشاور) نے بھیجا ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔

حکیم صاحب ہی لکھتے ہیں:

"یہ ابن اسحق وہ ذات شریف ہوئے ہیں جن کے متعلق امام مالک کہتے ہیں کہ دجال من الدجالۃ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ سلیمان تیمی، یحی بن سعید القطان اور وہیب بن خالد اسے کذاب کہتے ہیں۔ اکثر ائمہ حدیث نے اسے ناقابل حجت قرار دیا ہے ابن اسحاق مدنی تھا مگر مدینہ سے نکل کر کوفہ، جزیرہ، رے سے گھومتا ہوا بغداد مقیم ہوگیا۔ مشہور رافضی مفسر اور مؤرخ ابن جریر طبری اسی کا خوشہ چین ہے۔"

(صدیقہ کائنات صفحہ ۱۱۴)

حکیم صاحب اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"محمد بن اسحاق جس کے متعلق امام مالک کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور معتبر نہیں، امام بخاری نے اس سے کوئی روایت نہیں لی، علی المدائنی اسے ضعیف الروایۃ کہتے ہیں۔ امام ابو حاتم کے نزدیک وہ غیر مستند تھا اور نسائی اسے ضعیف کہتے ہیں۔"

(اختلافِ امت کا المیہ صفحہ ۱۶۷ طبع سوم)

حکیم فیض عالم صدیقی کی غیر مقلدیت کے لیے پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد صاحب غیر مقلد کی کتاب "تذکرہ علماء اہلِ حدیث پاکستان: ۳/ ۲۲۹ تا ۲۳۱" کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اس تذکرہ میں حکیم صاحب کی مذکورہ بالا کتاب "اختلاف امت کا المیہ" کو "لاجواب" قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"آپ نے مندرجہ ذیل کتب اپنی یادگار کے طور پر چھوڑی ہیں۔ ۱۔ اختلاف امت کا المیہ حصہ اول۔ یہ کتاب ردِ تقلید کے موضوع پر لاجواب کتاب ہے۔"

(تذکرہ علماء اہلِ حدیث پاکستان: ۳/ ۲۳۱)

حکیم فیض عالم صدیقی کا رَدِ تقلید پہ کتاب لکھنا ان کے غیر مقلد ہونے کی دلیل ہے۔

مولانا عبد السلام رستمی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"بل راوی محمد بن اسحاق دے او په هغه باندے ډیر اصحاب الجرح و التعدیل کلام کړے دے چه په حدیث کښې کذاب او دجال وؤ او عنعنه هغه په اتفاق سره قبوله نه ده او د دے حدیث بنکاره دلیل ده ضعف بلکه دوضع دا دے۔"

(تفسیر احسن الکلام: ۵/ ۳۷۴ تحت آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ...)

ترجمہ: دوسرا راوی محمد بن اسحاق ہے اور اس پر بہت سے اصحاب الجرح والتعدیل نے کلام کیا ہے کہ یہ احادیث میں کذاب و دجال ہے اس کا عن کہہ کر روایت کرنا تو بالاتفاق قابلِ قبول نہیں۔ اس کی حدیث نکارت کی وجہ سے ضعف بلکہ موضوع ہونے کی دلیل ہے۔

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”محمد بن اسحاق پر جرح محض اہلِ حدیث دشمنی میں کی جاتی ہے۔“

(احسن الابحاث صفحہ ۶۹)

محمد بن اسحاق کے مجروح ہونے پہ اوپر دیئے گئے سارے حوالے غیر مقلدین کے ہیں کیا انہوں نے بھی اہلِ حدیث کی دشمنی میں جرح کی ہے؟

فائدہ: بطور فائدہ عرض ہے کہ بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی محمد بن اسحاق پر جرح ثابت نہیں ہے جب کہ حقیقت یہ ہے خود غیر مقلد علماء نے اعتراف کیا ہے کہ محمد بن اسحاق پر امام مالک رحمہ اللہ کی جرح ثابت ہے۔ چند حوالے حاضر ہیں۔

مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”سبب جرح یعنی امام مالک کا باعث باہمی رنج کے محمد بن اسحاق کو بکلمہ درشت یاد کرنا معلوم ہوا۔“

(خاتمہ اختلاف صفحہ ۱۰۰)

مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔

”محمد بن اسحق کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے دجال وغیرہ کے الفاظ کہے۔“

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/ ۳۴۴)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”محمد بن اسحاق کے بارے میں محدثین کرام کا اختلاف ہے امام مالک وغیرہ نے انہیں کذاب کہا ہے۔“

(نور العینین صفحہ ۲۶۳ طبع ۲۰۰۶ء)

تنبیہ: محمد بن اسحاق پہ دیئے گئے کتب رجال کے حوالوں میں تطبیق دیتے ہوئے علمائے محدثین نے کہا کہ وہ مغازی میں حجت ہے اور حلال و حرام اور احکام میں حجت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اِبْنُ اِسْحَاقَ لَا یُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهٖ مِنَ الْاَحْكَامِ۔“

(الدراية فى تخريج احاديث الهداية صفحہ ۹۳، مطبوعہ ہند)

ترجمہ: ابن اسحاق کی روایت سے احکام میں احتجاج نہ کیا جائے خاص کر جب وہ روایت کرنے میں منفرد بھی ہو۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالَّذِیْ تَقَرَّرَ عَلَیْہِ الْعَمَلُ اَنَّ ابْنَ اِسْحَاقَ اِلَیْہِ الْمَرْجِعُ فِی الْمَغَازِیْ وَالْاَیَّامِ النَّبَوِیَّۃِ مَعَ اَنَّہٗ یَشُذُّ بِاَشْیَاءَ وَاَنَّہٗ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ فِی الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ۔“

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۶۳)

ترجمہ: عملاً جو چیز پختہ طور پر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ محمد بن اسحاق کی طرف مغازی اور سیرت نبویہ میں رجوع کیا جاتا ہے لیکن اس میں بھی وہ شاذ چیزیں بیان کرتا ہے لیکن حرام و حلال میں حجت نہیں۔

شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اِبْنُ اِسْحَاقَ حُجَّۃٌ فِی الْمَغَازِیْ لَا فِی الْاَحْکَامِ اِذَا خَالَفَ۔“

(ضعیف ابوداود: ۲/ ۱۶۵)

ابن اسحاق مغازی میں حجت ہے، نہ کہ احکام میں خاص کر جب وہ (ثقات کی) مخالفت کرے۔

جواب: ۲

اس حدیث کے راویوں میں محمد بن اسحاق متہم بالتشیع ہے یعنی ان پہ شیعہ ہونے کی تہمت ہے۔ جیسا کہ درج ذیل محدثین نے بیان کیا:

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وَاَمْسَکَ عَنِ الْاِحْتِجَاجِ بِرِوَایَاتِ ابْنِ اِسْحَاقَ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ لِاَسْبَابٍ مِّنْھَا اَنَّہٗ کَانَ یَتَشَیَّعُ۔“

(تاریخ بغداد: ۱/ ۲۲۴)

ترجمہ: محمد بن اسحاق کی روایات کے ساتھ دلیل پکڑنے سے بہت سے علماء مختلف

اسباب کی وجہ سے رک گئے ہیں ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ شیعہ مذہب رکھتا تھا۔

علامہ ابن عساکر لکھتے ہیں:

"مُحَمَّدُ ابْنُ إِسْحَاقَ وَسَلَمَةُ بْنُ الْفَضْلِ يَتَشَيَّعَانِ۔"

(تاریخ ابن عساکر: ۵۹/۲۰۵)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَأَمْسَكَ عَنِ الِاحْتِجَاجِ بِرِوَايَاتِ ابْنِ إِسْحَاقَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ لِأَشْيَاءَ مِنْهَا تَشَيُّعُهُ۔"

(سیر اعلام النبلاء: ۷/۳۹)

ترجمہ: محمد بن اسحاق کی روایات کے ساتھ دلیل پکڑنے سے بہت سے علماء مختلف اسباب کی وجہ سے رک گئے ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ شیعہ مذہب رکھتا تھا۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَلَا رَيْبَ أَنَّهُ كَانَ يُتَّهَمُ بِأَنْوَاعٍ مِّنَ الْبِدَعِ مِنَ التَّشَيُّعِ وَالْقَدْرِ وَغَيْرِهِمَا۔"

(شرح علل الترمذی لابن رجب: ۱/۴۱۹)

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد بن اسحاق مختلف قسم کی بدعات کے ساتھ متہم تھا جیسے شیعہ اور قدری وغیرہ۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ محمد بن اسحاق تشیع بدعت سے متہم ہے اور بدعتی کی وہ روایت جو اس کے مذہب کی تائید میں ہو قابل قبول نہیں ہوتی۔ (شرح مسلم نووی صفحہ ۶، شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۱۱۸)

مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد نے شیعہ راویوں کی بابت لکھا:

" ان کی بات زیادہ سے زیادہ بدعت کے زمرہ میں آتی ہے اور اصول حدیث میں مبتدعین کی روایت کو درج ذیل شرائط سے قبول کیا گیا ہے۔ ا۔ وہ صدوق ہو، متہم بالکذب نہ ہو، عادل ہو۔ ۲۔ وہ اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو۔ ۳۔ اس کی روایت اس کی بدعت کی تائید میں نہ ہو۔

(فتاویٰ راشدیہ: ۱/ ۵۵۵، ناشر: نعمانی کتب خانہ لاہور، تاریخ اشاعت: فروری/ ۲۰۱۲ء)

مولانا عبد السلام بستوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اہلِ سنت والجماعت نے صحتِ حدیث کے لیے دو مشہور شرطوں کے علاوہ یہ شرط رکھی کہ وہ روایت کسی بدعت کی مؤید نہ ہو۔“

(انکارِ حدیث سے انکار قرآن تک صفحہ ۲۸۴)

شیعہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا اصول کی وجہ سے یہ قابل قبول نہیں۔

جواب: ۳

اس کی سند میں ایک راوی داود بن حصین ہے جو اِس حدیث کو عکرمہ سے روایت کرتا ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اس حدیث کی بابت کہتے ہیں:

”هٰذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ ابْنُ اِسْحَاقَ مَجْرُوْحٌ وَدَاوٗدُ اَشَدُّ مِنْهُ ضُعْفًا قَالَ ابْنُ حِبَّانَ حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ بِمَا لَا يُشْبِهُ حَدِيْثَ الْاَثْبَاتِ فَيَجِبُ مُجَانَبَةُ رِوَايَتِهٖ۔“

(العلل المتناهية: ۲/ ۶۴۰)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح نہیں کیوں کہ محمد بن اسحاق مجروح ہے اور داود اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راویوں کی طرف نسبت کرکے ایسی حدیث بیان کرتا ہے جو ثقہ راویوں کی حدیث کے خلاف ہوتی ہے۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ثِقَةٌ اِلَّا فِيْ عِكْرِمَةَ۔“

(شرح الزرقانی: ۲/ ۱۲)

ترجمہ: داود بن الحصین ثقہ ہے مگر عکرمہ سے روایت کرنے میں معتبر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

”دَاوٗدُ ابْنُ الْحُصَيْنِ الْاُمَوِيُّ... ثقة الا فِيْ عكرمة“

یعنی داود بن حصین ثقہ ہے لیکن جب وہ عکرمہ سے روایت کرے تو ثقہ نہیں۔

(تقریب صفحہ ۱۱۶)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مولانا وحید الزمان نے "تنقیدالھدایۃ" میں ایسی روایات کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا ہے، اس پر ان کا اعتماد کسی گاؤں یا محلے کے "حافظ صاحب" پر نہیں بلکہ حافظ الدنیا ابن حجر رحمہ اللہ پر ہے۔"

(احادیثِ ہدایہ: فنی و تحقیقی حیثیت صفحہ ۱۸، ادارۃ العلوم الاثریۃ فیصل آباد، تاریخ طباعت: ستمبر ۲۰۰۲ء)

جناب! ہم بھی زیر بحث روایت کی تضعیف گاؤں یا محلہ کے کسی حافظ کے کہنے پر نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول پر ذِکر کر رہے ہیں، جو غیر مقلدین کے بقول استاذ الدنیا فی علم الحدیث ہیں بلکہ یہ دعوی بھی ہے کہ وہ غیر مقلد ہیں۔

چنانچہ اثری صاحب کے شاگرد مولانا خبیب اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"استاذالدنیافی علم الحدیث... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔"

(مقالات اثریہ صفحہ ۴۴۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو غیر مقلدین اپنا ہم مذہب غیر مقلد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے لکھا:

"ابن حجر رحمہ اللہ کا مقلد ہونا ثابت نہیں، بلکہ تقریب وغیرہ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے وہ غیر مقلد تھے۔"

(اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۵۴)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کے بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر اعتماد کر لینا کافی ہے۔ عرض ہے کہ جب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ساتھ دیگر متعدد محدثین اور کئی غیر مقلدین بھی شامل ہوں تب کس قدر زیادہ اعتماد ہو؟

علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس روایت کو داود بن حصین کے مناکیر میں شمار کرتے ہیں۔(میزان: ۱/ ۳۱۷)

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”عَنْ دَاوٗدَ بْنِ الْحُصَيْنِ الْاُمَوِیُّ مَوْلَاهُمْ اَبُوْ سُلَيْمَانَ الْمَدَنِیُّ ثِقَةٌ اِلَّا فِیْ عِكْرِمَةَ وَرُمِیَ بِرَاْيِ الْخَوَارِجِ۔“

(تحفۃ الاحوذی ۳/ ۱۷۳ بحوالہ جواب مقالہ صفحہ ۱۰۸)

یعنی داؤد بن الحصین اگر عکرمہ کے علاوہ کسی اور سے روایت کرے تو ثقہ ہے اور اس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ یہ خارجیوں جیسا نظریہ رکھتا تھا۔

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”جس روایت مسند احمد میں مجلس واحد کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں، اس کی سند میں بروایت عکرمہ عن عمران بن حصین ہے جسے محدثین حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایسی روایت خصوصاً صحیح نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو تقریب التہذیب۔“

(فتاویٰ ثنائیہ ۲/ ۲۱۶)

غیر مقلدین میں ”امام المحدثین“ کا لقب پانے والے بزرگ شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”دَاوٗدُ بْنُ حُصَيْنٍ وَهُوَ ضَعِيْفٌ فِیْ عِكْرِمَةَ خَاصَّةً۔ (ارواء الغلیل :۱/ ۱۱۹)

داود بن حصین خاص طور پہ عکرمہ سے روایت کرنے میں ضعیف ہے۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد نے حدیث رکانہ (احمد) کے بارے میں لکھا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔(تعلیق المغنی: ۲/ ۴۴۶)

لیکن مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد نے کہا:

”مگر ابن قیم کا یہ کہنا ٹھیک نہیں کیوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ اسناد کے حسن ہونے سے حدیث اس وقت حسن ہو سکتی ہے جب حدیث میں کوئی عیب نہ ہو اور یہاں عیب موجود ہے چنانچہ حافظ ابنِ حجر نے اس کو معلول کہا ہے خاص کر جب امام احمد کا فتویٰ بھی اس کے خلاف ہے تو پھر معلولیت کا شبہ اور پختہ ہو جاتا ہے۔“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں ضمیمہ تنظیم اہلِ حدیث روپڑ صفحہ ۱۶ بحوالہ عمدۃ الاثاث صفحہ ۱۱۰)

سعودی عرب کے ”مفتی“عبد العزیز بن باز نے ایک مجلس کی تین طلاق پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

”باقی رہی حدیثِ رکانہ تو وہ اس مسئلہ میں صریح نہیں ہے اس حدیث کی سند میں بھی کلام ہے کیوں کہ اسے داود بن حصین نے عکرمہ سے روایت کیا ہے اور اس روایت کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے جیساکہ تقریب، تہذیب اور دیگر کتابوں میں داود مذکور کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے۔“

(مقالات و فتاویٰ صفحہ ۳۴۷)

مذکورہ عبارت کو درج ذیل کتاب میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

(فتاوی علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز صفحہ ۳۱۰، باہتمام ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، الناشر: دار الداعی للنشر والتوزیع مرکز العلامہ بن باز للدراسات الاسلامیۃ ہند)

جناب شیخ بن باز کا غیر مقلدین کے ہاں کیا مقام و مرتبہ ہے، وہ ذیل کی عبارات میں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ محمد اسحاق زاہد غیر مقلد (کویت) لکھتے ہیں:

”شیخ ابن باز رحمہ اللہ... موصوف عالمِ اسلام کی معروف شخصیت تھے، علم و عمل، تقویٰ و پرہیز گاری اور بصیرت کے پہاڑ تھے۔“

(اہلِ حدیث اور علمائے حرمین کا اتفاق رائے صفحہ ۴۰)

مولانا عبد الصمد رفیقی غیر مقلد نے سعودی عرب کا حال بیان کرتے ہوئے اُن کے علم و فضل کو یوں بیان کیا:

”وہاں بڑے معروف و ممتاز علمائے کرام تھے۔ خصوصاً فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز اور فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہما اللہ کے علم و فضل کا ہر طرف چرچا تھا۔“

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعت خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۲۱، طبع مکتبہ اسلامیہ)

غیر مقلدین نے موصوف شیخ بن باز کو تارک تقلید اور اہلِ حدیث قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’سعودی عرب کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) شیخ الاسلام عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ ،اہلِ حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔‘‘

(اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۶)

علی زئی صاحب نے انہیں دوسری کتاب میں ’’تارک تقلید‘‘ قرار دیا ہے۔

(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۴۳)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’بعض اہلِ حدیث علماء کا فتوی ہے کہ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے مثلاً شیخ بن باز رحمہ اللہ۔‘‘

(صالح اور مصلح صفحہ ۳۶۷)

شیخ شعیب ارناؤط صاحب لکھتے ہیں:

’’قلت و رایته داود بن الحصین عن عکرمة فیها شیء قال علی بن المدینی: ما روی عن عکرمة فمنکر وقال ابو داود: احادیثه عن شیوخه مستقیمة، و احادیثه عن عکرمة مناکیر، وفی التقریب ثقة الا عکرمة۔‘‘

(تعلیق الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۵/۳۰۷)

الاحسان کے مترجم نے کہا ہے کہ یہ تعلیقات شیخ شعیب ارناؤط کی ہیں۔ (الاحسان مترجم: ۱/۵۴)

جواب:۴

اس حدیث کے پہلے راوی امام احمد رحمہ اللہ ہیں۔ مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد کا اقتباس پہلے منقول ہو چکا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا فتویٰ تین طلاقوں کے تین ہونے کا ہے یعنی حدیثِ رکانہ کو روایت کرنے والے راوی کا فتویٰ خود اس حدیث کے خلاف ہے جب کہ غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ حدیث کا راوی روایت کردہ حدیث کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔

جواب:۵

اس کی سند میں عکرمہ مولی ابنِ عباس ہے۔ مولانا بشیر احمد حسیم غیر مقلد (رحیم یار خاں) نے عکرمہ کو

مجروح قرار دیتے ہوئے چار صفحات میں جرح نقل کی ہے۔ اس جرح کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ حسیم صاحب لکھتے ہیں:

"امام عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں میں علی بن عبد اللہ بن عباس کے پاس گیا تو انہوں نے عکرمہ کو لیٹرین، بیت الخلاء کے دروازے کے پاس باندھا ہوا تھا تو میں نے اسے کہا: کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ یعنی اسے قید کیا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ بے شک یہ خبیث میرے باپ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ امام عبد الرحمن نے کہا کہ عکرمہ نے ایک حدیث بیان کی تو کہا میں نے ابنِ عباس کو ایسے ایسے کہتے ہوئے سنا تو عبد الرحمن کہتے ہیں میں نے ایک غلام سے کہا کہ دوات لاؤ تو اس (عکرمہ) نے کہا یہ حدیث تجھے اچھی لگی ہے؟ تو میں نے کہا ہاں، تو اس نے کہا کیا تو اسے لکھنا چاہتا ہے؟ تو میں نے کہا: ہاں۔ تو اس نے کہا: میں نے تو اسے اپنی رائے سے بیان کیا ہے۔ پہلے اسے ابن عباس کی طرف منسوب کیا، پھر فوراً اسے اپنی رائے سے بیان کرنا کہہ دیا۔"

(التحقیق السدید فی رد اھل التقلید المعروف مسائل ثلاثہ صفحہ ۷)

حسیم صاحب غیر مقلد کی اس نقل کردہ جرح کے مطابق عکرمہ والی حدیث رکانہ من گھڑت ثابت ہوتی۔ حسیم صاحب لکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہا کی طرف عکرمہ جھوٹی روایتیں منسوب کرتا تھا اور یاد رہے کہ حدیث رکانہ بھی عکرمہ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد نے حدیثِ رکانہ کے متعلق لکھا:

"جمہور علماء جو کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔"

(مکالمہ صفحہ ۱۶۷، ناشر: دار الفکر الاسلامی، طبع اول: جنوری ۲۰۱۸ء)

ڈاکٹر صاحب نے اعتراف کر لیا کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

خلاصۂ کلام: مذکورہ بالا جوابات کی رُو سے حدیثِ رکانہ ابو داود اور مسند احمد والی متعدد غیر مقلدین کے نزدیک من گھڑت یا کم از کم ضعیف ضرور ہے اور جو ضعیف کو صحیح کہے اس کا حکم شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"غلط روایت کو صحیح سند کہہ کر پیش کرنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔"

(علمی مقالات ۱/ ۵۷۹)

تنبیہ: بعض حضرات نے حدیثِ رکانہ مسند احمد کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ اس کا راوی محمد بن اسحاق شیعہ ہے اور شیعہ کی جو روایت ان کے مذہب کی تائید کرتی ہو وہ معتبر نہیں، شیعہ بھی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

جناب مسعود احمد غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حدیث میں ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کر دیا۔ مقلدین محض ضد کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔"

(مجلس واحد میں تین طلاقیں ایک کیوں نہیں؟ ۱۸)

حدیثِ رکانہ رضی اللہ عنہ کے ضعف پر غیر مقلدین کے حوالہ جات اوپر مذکور ہیں کیا انہوں نے بھی ضد میں آکر اس روایت کو ضعیف کہا ہے؟ نیز آگے آنے والا عنوان "کتاب و سنت میں تین طلاق کے ایک ہونے کی کوئی دلیل نہیں" بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

"یہ روایت نص قطعی ہے، تاویل کو قبول نہیں کرتی" کا دعویٰ

مسئلہ تین طلاق پہ لکھنے والے کئی غیر مقلدین نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے حدیث رکانہ کی بابت نص قطعی اور غیر موؤل ہونے کا دعوی نقل کیا مثلاً

حافظ عبد الستار حماد غیر مقلد نے حدیث رکانہ (مسند احمد) کی بابت لکھا:

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس مسئلہ طلاقِ ثلاثہ کے متعلق ایک فیصلہ کن نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے جس کی اور کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔"

(ہدایۃ القاری شرح بخاری: ۵/ ۳۱۵)

حماد صاحب نے اس جگہ حوالہ ’’فتح الباری:۹/ ۴۵۰‘‘ کا دیا ہے۔

الجواب:

ا۔ یہاں قطعی الثبوت کی بات تو ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ قطعی الثبوت حدیث متواتر ہوتی ہے جب کہ یہ خبر واحد ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سمیت جمہور محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔ رہا معنی کے اعتبار سے قطعی ہونا، وہ بھی غیر مقلدین کو مفید مطلب نہیں۔ اول اسے لئے کہ جب یہ حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی صرف قطعی المعنی ہونے سے کیا فائدہ ؟ پہلے اسے صحیح تو ثابت کریں، بعد میں اگلی بات۔ اپنی کتابوں میں درج جملہ ’’پہلے تخت بنائیں، پھر نقش و نگار کریں۔‘‘ یاد رکھیں۔

دوسرا یہ کہ یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود مرجوح ہے کیوں کہ حدیث رکانہ جو صحیح سند سے مروی ہے اس میں طلاق بتہ کا تذکرہ ہے، نہ کہ تین طلاقوں کا۔ حاصل یہ کہ طلاق البتہ سنداً صحیح اور معناً راجح ہے جب کہ تین طلاق والی روایت سنداً غیر ثابت اور معناً مرجوح ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں مذکور محدثین کے حوالہ جات اس پہ گواہ ہیں۔ جب تین طلاق والی روایت سنداً ضعیف اور معناً مرجوح ہے تو قطعی المعنی ہونے سے کیا حاصل ہو گا؟ اگر کسی کی طرف سے ’’نص قطعی‘‘ کہا جانا کافی ہے تو مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے ایک حدیث کی بابت تسلیم کیا کہ ’’یہ روایت تین طلاقوں کے واقع ہونے پر نص ہے‘‘ مگر پھر بھی اسے قبول نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ’’یہ روایت تین طلاقوں کے واقع ہونے پر نص تو ہے مگر یہ روایت نہ درایۃً درست ہے، نہ روایۃً۔‘‘
>
> (ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اُن کا شرعی حل صفحہ ۶۵)

اس عبارت کے پیشِ نظر یہ کہنا بجا ہے کہ جس روایت میں تین کے ایک ہونے کی بات ہے وہ نہ روایۃً درست ہے اور نہ ہی درایۃً۔ لہذا صرف نص کہہ دینے سے کیا حاصل ؟

کتاب و سنت میں تین طلاق کے ایک ہونے کی کوئی دلیل نہیں

غیر مقلدین میں ’’محدث العصر‘‘ کا لقب پانے والے شیخ زبیر علی زئی کا اعلانِ حق پڑھ لیں۔

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے لکھا:

''مسلم کی یہ حدیث امام حازمی و تفسیر ابن جریر و ابنِ کثیر وغیرہ کی تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ حدیث بظاہرہ کتاب و سنت صحیحہ و اجماع صحابہؓ وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے، لہٰذا حجت نہیں ہے۔''

(فتاویٰ ثنائیہ ۲/۲۱۹، ناشر: اسلامک پبلشنگ لاہور... دوسرا نسخہ صفحہ ۴۶)

علی زئی صاحب نے امام شریح رحمہ اللہ کے فتویٰ ''اکھٹی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

'' قُلْتُ :وَصَحَّ بِنَحْوِ الْمَعْنٰی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهٖ مِنَ الصَّحَابَةِ رِضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِيْنَ ، وَلَا يُعْرَفُ لَهُمْ مُخَالِفٌ فِیْ اِيْقَاعِ الثَّلَاثِ جَمِيْعًا فَهٰذَا اِجْمَاعٌ وَلَيْسَ فِی الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا يُعَارِضُهٗ۔''

(حاشیه جزء علی بن محمد الحمیری:۳۷ تحت حدیث:۴۳)

ترجمہ: میں کہتا ہوں: اور اسی طرح کا مفہوم ابن عباس وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے صحیح سند سے ثابت ہے اکھٹی تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں ان کا کوئی مخالف معلوم نہیں، لہذا یہ اجماعی مسئلہ ہے اور کتاب و سنت میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس کے خلاف ہو۔

علی زئی صاحب کا یہ جملہ '' وَلَيْسَ فِی الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا يُعَارِضُهٗ'' واشگاف لفظوں میں اعلان ہے کہ کتاب و سنت میں تین طلاقوں کے تین ہونے کے خلاف کوئی بات نہیں ہے۔

دہلوی صاحب کی تصریح کے مطابق تین طلاقوں کو ایک کہنا نہ صرف کتاب و سنت سے ثابت نہیں بلکہ کتاب و سنت میں اس کے خلاف دلائل موجود ہیں۔ علی زئی اور دہلوی صاحبان کا یہ اعترافِ حق حافظ عبد الرحمن وغیرہ آلِ غیر مقلدیت کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

صحابہ کرام کو ہم نوا قرار دینے کا دعویٰ

حافظ عبد الرحمن:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمن بن

عوفؓ اصحابؓ رسول ﷺ کا یہی فتویٰ ہے۔(اعلام الموقعین ج۳،اغاثۃ اللھفان ج:۱)

الجواب:

حافظ عبد الرحمن نے ان صحابہ کرام کو اپنا ہم نوا قرار دینے کا دعوی تو کر دیا مگر اس کے لیے نہ تو حدیث کی امہات الکتب ماخذ کا حوالہ دیا اور نہ ہی ان کی اسناد ذکر کی ہیں۔ اگر ان صحابہ کرام کی طرف منسوب بات صحیح سندوں سے مروی ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں، ورنہ بے سند بات کی حیثیت اپنی کتابوں میں دیکھ لیں۔

نیز پچھلے صفحات میں غیر مقلد عالم مولانا شرف الدین دہلوی، شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد، مولانا محمد حنیف ندوی غیر مقلد، پروفیسر قاضی مقبول احمد غیر مقلد اور دیگر حضرات محدثین وفقہاء کے اقتباسات نقل کر آئے ہیں کہ تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماعِ صحابہ ہے۔

حافظ عبد الرحمن نے اپنی رائے کی تائید میں جن صحابہ کرام کے اسمائے گرامی ذِکر کئے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ خود غیر مقلدین اور ان کے معتمد حضرات نے انہیں تین طلاقوں کے وقوع کا قائل بتایا ہے، حوالہ جات ہم اپنی اسی کتاب کے باب دوم میں صحابہ کرام کے آثار کے تحت نقل کر دیئے ہیں۔ والحمدللہ۔

مخالف کے دعویٰ کی حقیقت

حافظ عبد الرحمن:

> ”جو ایک ساتھ تین طلاقیں دیتا ہے وہ ایک طلاق ہے جن پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں۔
>
> (فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۲ص:۸۶)“

الجواب:

کتاب وسنت میں سے آپ نے کتاب یعنی قرآن کو تو پیش ہی نہیں کیا۔ اور سنت جو اپنے زعم میں پیش کی ہے اس میں سے پہلی حدیث ابن عباس (مسلم) تو حدیثِ نبوی ہے ہی نہیں جیسا کہ ہم اس پر مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد اور علامہ ابن حزم ظاہری کی گواہی نقل کر آئے ہیں۔ حدیث ابن عباس... عنوان کے تحت اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

اور دوسری حدیث، حدیث رکانہ پیش کی ہے جسے خود متعدد غیر مقلدین کے اصولوں بلکہ تصریحات سے

ہم ضعیف ثابت کر چکے ہیں۔ والحمد للہ حدیثِ رکانہ کی بحث میں اسے پھر دیکھ لیا جائے۔

جب بات یونہی ہے تو صرف علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کہنے سے یہ مسئلہ کتاب و سنت کا قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ یہ موقف علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ضرور ہے اور یہ اُن کا تفرد ہے جیسا کہ فتاویٰ ثنائیہ جلد دوم میں مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے اعتراف کیا ہے۔

نیز اگر بات حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی لینی ہے تو یاد رہے کہ ان کی پیروی غیر مقلدین کے لئے بہت سے مسائل میں مشکل پیدا کر دے گی۔ مثلاً وہ مطلق تقلید کو جائز بلکہ واجب کہتے ہیں بَلْ غَایَتُہٗ مَا یُقَالُ اِنَّہٗ یَسُوْغُ اَوْ یَنْبَغِیْ اَوْ یَجِبُ اَنْ یُّقَلِّدُوْا وَاحِدًا لَا بِعَیْنِہٖ مِنْ غَیْرِ تَعْیِیْنِ زَیْدٍ وَلَا عَمْرٍو۔ "(مجموع فتاویٰ ۲۲/۲۴۹)

اور وہ جہری نمازوں میں متقدیوں کو قراءۃ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ (تفسیر احسن البیان صفحہ ۲)

مزید تفصیل کے لیے حضرت مولانا ابو بکر غازی پوری رحمہ اللہ کا رسالہ "کیا ابن تیمیہ اہلِ سنت میں سے ہیں؟" کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کی طرف غلط انتساب

حافظ عبد الرحمن:

> "امام طحاوی حنفیؒ کا فتوی کہ مرد جب اپنی (بیوی) کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو ایک طلاق واقع ہو گی۔
>
> (شرح معانی الآثار ۲/۳۵)"

الجواب:

حافظ عبد الرحمن کا امام طحاوی رحمہ اللہ کی طرف یہ انتساب درست نہیں۔ وہ تین طلاقوں کے ایک ہونے کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ وہ تو تین طلاقوں کے تین ہونے کے متعلق کہتے ہیں کہ اس پر صحابہ کرام اجماع ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "فَخَاطَبَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بِذٰلِكَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَفِیْهِمْ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمُ الَّذِیْنَ قَدْ عَلِمُوْا مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذٰلِكَ فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یُنْکِرْہُ عَلَیْہِ مِنْهُمْ مُنْکِرٌ وَّلَمْ یَدْفَعْہُ دَافِعٌ كَانَ ذَالِكَ اَیْضًا اِجْمَاعَهُمْ

عَلَى الْقَوْلِ اِجْمَاعًا يَّجِبُ بِهِ الْحُجَّةُ وَكَمَا كَانَ اِجْمَاعُهُم عَلَى النَّقْلِ بَرِيْئاً مِّنَ الْوَهْمِ الزَّلَلَ كَانَ كَذٰلِكَ اِجْمَاعُهُمْ عَلَى الرَّأْيِ بَرِيْئًا مِّنَ الْوَهْمِ وَالزَّلَلِ۔"

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں سے اس بارے میں خطاب فرمایا اور ان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ عنہم بھی تھے جو بخوبی جانتے تھے کہ اس سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے متعلق کیا ہوتا رہا؟ لیکن ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی نے حضرت عمرؓ کے اس حکم کو ٹالا تو یہ ایک بہت بڑی حجت ہے کہ اس کے خلاف جو پہلے ہوتا رہا وہ منسوخ ہے کیوں کہ جب حضور علیہ السلام کے تمام صحابہ کرام ایک عمل پر متفق ہو جائیں تو وہ لازما حجت ہے اور جس طرح نقل پر ان کا اجماع وہم وخطاء سے پاک ہے، اسی طرح رائے پر بھی ان اجماع وہم وخطاء سے بری ہے۔"

(شرح معانی الآثار ۲/۲۹)

زیر بحث مسئلہ کی بابت حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمہ اللہ کی انصاف پسندی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

"ثُمَّ ذَكَرَ حُجَجَ الْآخَرِيْنَ وَالْجَوَابَ عَنْ حُجَجِ هٰؤُلَاءِ عَلٰى عَادَةِ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِيْنَ فِيْ اِنْصَافِ مُخَالِفِيْهِمْ وَالْبَحْثِ۔"

ترجمہ: پھر انہوں [امام طحاوی رحمہ اللہ (ناقل)] نے دوسرے حضرات کے دلائل بیان کئے ہیں اور تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کے دلائل کا جواب دیا جیسا کہ اہلِ علم اور دین دار حضرات کا شیوہ ہے کہ اپنے ساتھ مخالفت رکھنے والے سے انصاف کرتے ہیں اور بحث کرتے ہیں۔

(اغاثۃ اللھفان ۱/۳۲۷ بحوالہ عمدۃ الآثاث صفحہ ۴۸)

امام طحاوی رحمہ اللہ تو تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ مخالفین کو جواب بھی دیا ہے۔ حافظ عبد الرحمن کا ان کی طرف تین طلاقوں کے ایک ہونے کو منسوب کرنا کس قدر خلافِ حقیقت ہے۔

مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ کا موقف

حافظ عبد الرحمن:

”علامہ عبد الحی لکھنوی کا فتویٰ کہ جب ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائی گی تو ایک طلاق واقع ہو گی۔

(عمدۃ الرعایۃ ۲/۷۱)“

الجواب:

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے عمدۃ الرعایۃ میں تین طلاقوں کے تین ہونے کو بیان کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے ان شاء اللہ۔ البتہ بعض غیر مقلدین عمدۃ الرعایۃ کی بجائے مجموعہ فتاویٰ ا/۴۸۴ کا حوالہ دیتے ہیں مگر ان کا یہ فتویٰ الحاقی ہے یا ان کا اس سے رجوع ثابت ہے کیوں کہ اس فتوی کے بعد انہوں نے جو فتویٰ تحریر کیا اس میں لکھا ہے:

”حضرت عمرؓ کا اسی امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاقوں کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک جلسہ میں ہوں صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے اور یہی قول موافق ظاہر قرآن سے ہے۔ باقی وہ حدیث (ابن عباس) جو صحیح مسلم میں مروی ہے پس اُس کی تاویل جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ...“

(مجموعہ فتاویٰ ا/۴۹۵۱)

لکھنوی صاحب نے تین طلاقوں کے تین ہونے کے فیصلہ عمری کو قرآن کے موافق قرار دے کر مخالفین کی مرکزی مزعومہ دلیل حدیث ابن عباس کا جواب دے دیا ہے اور اپنی وفات سے قریباً دو سال پہلے اور پہلے فتوے (جسے مخالفین اچھالتے ہیں) کے بارہ سال بعد عمدۃ الرعایہ میں تین طلاقوں کے تین ہونے کو دلائل سے ثابت کر کے مخالفین کو جواب دیا ہے۔ (عمدۃ الرعایہ ۳/۶۳)

صحیح بخاری ا/۹۶ پر مذکور ”انما یؤخذ بالآخر فالآخر، آخری سے آخری بات کو لیا جائے گا“ قاعدہ کے موافق ان کا آخری فتویٰ تین طلاقوں کے وقوع کا قابلِ اخذ ہے اور پہلا فتویٰ الحاقی ہے یا مردود ہے۔ لہٰذا حافظ عبد الرحمن صاحب کا لکھنوی صاحب کو اپنا ہم نوا باور کرانا درست نہیں۔

حافظ عبد الرحمن کے فتوی کا خلاصہ

حافظ عبد الرحمن:

"مذکورہ دلائل کی روشنی میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی ہے۔ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر کو بیوی سے رجوع کا حق حاصل ہے بر تقدیر صحت هذا ما عندی والله اعلم بالصواب والیه المرجع والمتاب ۲۰۱۲/۶/۲۲ء، حافظ عبد الرحمن خطیب مرکزی جامع مسجد اقصیٰ محبت پور بازار سٹی احمد پور، ضلع بہاول پور"

الجواب:

آپ کے مذکورہ مزعومہ دلائل دیکھ لئے۔ لکھنوی صاحب کا حوالہ مرجوع عنہا ہے یا الحاقی، امام طحاوی رحمہ اللہ کی طرف نسبت خلافِ واقعہ ہے اور صحابہ کرام کو اپنا ہم نوا تو قرار دیا مگر سند سے اس کو ثابت نہیں کیا۔ نیز لکھنوی، طحاوی اور صحابہ کرام کیا آپ کے دلائل ہیں؟ کہ آپ "مذکورہ دلائل" میں انہیں شامل کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کا نعرہ ہے کہ اہل حدیث کے دو اصول، اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول جب کہ لکھنوی، طحاوی اور صحابہ کرام امتی ہیں نہ تو اللہ ہیں کہ اطیعوا اللّٰہ کا مصداق بنیں اور نہ ہی رسول کہ اطیعوا الرسول کے تحت انہیں دلیل بنایا جا سکے۔

باقی رہے حدیث کے مزعومہ دلائل؟ ان کی حیثیت ہم غیر مقلدین کی زبانی خوب واضح کر چکے ہیں آپ ان کا اصولِ حدیث کی روشنی میں معقول جواب دیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہو گا کہ میں ان کو نہیں مانتا۔ آپ کسی کو مانیں یا مانیں، یہ آپ کی مرضی ہے ہم اس میں دخیل نہیں ہوتے مگر آپ کے ان غیر مقلدین نے ان مزعومہ دلائل پر جو نقد و تنقید کی ہے، ان کا جواب دینا تو ضروری ہو گا۔ اور جواب کون سا معتبر ہو گا وہ آپ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کی زبانی معلوم کر لیں۔ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

> "میرے اس مضمون اور کتاب کا مکمل جواب دیں، اگر وہ انہیں متن میں رکھ کر مکمل جواب نہیں دیں گے تو ان کے جواب کو باطل و کالعدم سمجھا جائے گا۔"

(اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۷۱)

اللّٰھم ارنا الحق وارزقنا اتباعه۔

(جاری)

مولانا بلال درویش صاحب حفظہ اللہ (قسط:۱)

"حرکت انصار المہدی" حقیقت یا فسانہ

"حرکت انصار المہدی تنظیم کا مختصر تعارف"

یہ تحریک یمن سے اٹھی ہے، اور اس کا سارا انحصار واٹس ایپ اور یوٹیوب، اور ٹک ٹاک پر ہے، اور واٹس ایپ ہی کے ذریعے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، بیعت کے الفاظ یہ ہوتے ہیں:

"انا من قليم ... فلان بن فلان ابايع الشيخ .... بيعة مخصوصة علي مشروع حركة انصار المهدي، لاجل العمل لبيعة المهدي، ما استطعت الي ذالك سبيلا"

اس بیعت کے بعد "الھجرہ" نامی گروپ میں مبایع کو ایڈ کیا جاتا ہے جہاں یہ لوگ اپنی نشریات کرتے ہیں۔

یہ تحریک تقریبا ۲۰۱۲ء میں شروع ہوئی ہے، بانی کا نام شیخ "حسن تہامی" ہے، ان لوگوں کے کہنے کے مطابق یہ اس کا اپنا نام نہیں، بلکہ اصلی نام "محمد" ہے۔

ایک دوسری بڑی شخصیت جس کی وجہ سے اس تنظیم کو تقویت ملی وہ "شیخ ابو دود حسامی" ہے جو کہ تنظیم کا مفتی کہلایا جاتا ہے، اور سوشل میڈیا پر بہت کام کرتے ہیں، اس تنظیم کے معتقدات کو سمجھنے کے لئے دو کتابوں کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے، ایک ہے، "المہدی من عترتی" یہ کتاب تنظیم کے بانی کا ہے، اور یہ کتاب اصل میں ان دروس کا مجموعہ ہے جو بانی نے یمن میں اپنے متعلقین کو دیئے ہیں، یہ کتاب انٹرنیٹ پر آسانی سے ملتا ہے، دوسری کتاب کا نام ہے، "احكام الحقيقة الغائبة بين السنة والشيعة" یہ کتاب حکیم الانصار کہلایا جانے والا "ابودود حسامی" کا ہے، اور یہ کتاب اصل میں ایک دوسری کتاب کا جواب ہے جو ان لوگوں کے خلاف کسی عرب نے لکھی تھی، بہر حال ان دو کتابوں سے اس تنظیم کے سارے تانے بانے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ اس دونوں کتابوں سے اس تنظیم کے معتقدات فاسدہ آپ حضرات کو بیان کریں گے۔

حرکت انصار المہدی کا طریقہ واردات

یہ بات شاید کسی پر مخفی نہیں کہ آج کل لفاظی اور دجل کا دور ہے، باطل لوگ ایسے الفاظ اور عبارات کا انتخاب کرتے ہیں، جن سے اختلاف کرنا ایک معمہ بنتا ہے، لیکن ان عبارات میں جو فساد پنہا ہوتا ہے اس پر بہت کم

لوگ مطلع ہوتے ہیں، کہیں منکرین قیاس نے قران اور حدیث کا نعرہ لگایا تو کہیں منکرین حدیث نے قران سے عشق کو ظاہر کیا، تو کہیں سلفیوں نے توحید کے نام پر شرکیات پھیلانا شروع کیا، عرض یہ ہے کہ ہمیشہ باطل لوگ خوبصورت نعروں کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرنا آسان ہو، حرکت انصار المہدی بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ لوگ بیعت امام مہدی کے لئے لے رہے ہیں، جیسا کہ پہلے پوسٹ میں بیعت کے الفاظ سے ظاہر ہے، اور امام مہدی کو موضوع پر لوگوں کی توجہ حاصل کرتے ہیں، علامات قیامت کی ایسی تطبیقات کرتے ہیں کہ بس یہی امام مہدی کا زمانہ ہے اور ہمارے ہی زمانے میں امام مہدی آئے گا یہاں تک کہ یہاں کہ ایک ذمہ دار مفتی نے کہا تھا کہ امام مہدی کے سارے علامات 2017 میں پورے ہو چکے ہیں، اب یہ بہت خوبصورت اور دلچسپ موضوع ہے اور مسلمان کی شان بھی یہی ہے کہ قیامت اور فتنہ کے احادیث کو پڑھے، سمجھے اور پھیلائے، اور پھر قیامت کے لئے تیاری کریں، لیکن امام مہدی سے ان لوگوں کی مراد اپنی تنظیم کا بانی شیخ حسن تہامی ہوتا ہے، یہاں تک کہ یوٹیوب میں حرکت کا مفتی کہلایا جانے والے ابو دود حسامی نے اسی(80) سے زیادہ علامات گنوائے ہیں، کہ یہ سب علامات تنظیم کے بانی میں موجود ہے، اور اس پر ایک اور عجیب وغریب کتاب بھی لکھی گئی ہے جس کا نام ہے "دجال کعبہ کا طواف کرتے ہوئے"۔ اس کتاب میں ان لوگوں نے تنظیم کے بانی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا ملاقات دجال کے ساتھ ہوا اور پھر دجال نے اس پر جادو کیا اور پھر یہ کرامت ظاہر ہوئی یہ ظاہر ہوئی، بہر حال کتاب کا مقصود یہ ہے کہ بانی تنظیم شیخ حسن ہی امام مہدی ہے، اس میں حقیقت کتنی ہے فسانہ کتنا؟ یہ ایک الگ موضوع ہے جس کو بعد میں ایک الگ عنوان سے بیان کریں گے ان شاء اللہ، لیکن یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس فتنہ کا طریقہ واردات کچھ یوں ہے کہ ابتداء فتن کے احادیث اور قیامت کے علامات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں، ظاہر ہے کون سا مسلمان ایسا ہوگا کہ وہ ان چیزوں سے انکار کریں، پھر رفتہ رفتہ امام مہدی کے احادیث، اس کے علامات، اس کے زمانے میں مسلمانوں کی خوشحالی اور کفر کی مغلوبیت کا تذکرہ کرتا ہے، ظاہر ہے کہ دین کا درد رکھنے والے کا دل ان تذکروں سے منور ہوگا، اور کون جرأت مند ایسا ہوگا جو ایسے متواتر معنوی کے درجے کے احادیث کا انکار کرے؟ پھر اس سے اگلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ دین کے احیاء کے لئے خلافت کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں خلافت کے بغیر ظلم دنیا سے ختم نہیں ہو سکتا، اب چونکہ خلافت کا مسئلہ اور اہمیت اہل حق کے ہاں بدیہیات کا درجہ رکھتا ہے تو مخاطب ان باتوں کو قبول کرتا ہے، ظاہر ہے

کہ ایسے باتوں کو کون سا عقل مند غلط کہہ سکتا ہے؟ اب اس کے بعد یہ لوگ مخاطب کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ اب خلافت لائے گا تو کون؟ تو اس کے جواب میں یہ حضرات موجودہ اختلافات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ چونکہ مجاہدین میں حد سے زیادہ اختلاف ہے، فلاں تنظیم میں یہ خرابی ہے فلاں میں یہ۔ لہذا یہ لوگ خلافت نہیں لاسکتے، بلکہ خلافت امام مہدی ہی لائے گا، اس پر یہاں کے ایک سرگرم رکن اور ذمہ دار نے ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے۔ اب اسکے بعد یہ لوگ اپنے من پسند نظریات کی انجکشن غیر محسوس طریقے سے مخاطب کو لگواتے ہیں، اور یہی سے ابتدا ہوتی ہے۔ مخاطب یہ سوچتا ہے کہ جب خلافت امام مہدی ہی لائے گا تو میں کیوں خلافت کے لئے جہاد کروں؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ شیعوں کی کتابوں سے ایک روایت بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب امام مہدی کا زمانہ قریب آئے تو اپنے آپ کو اس کے لئے بچاؤ، یعنی عملاً جہاد نہ کرو بلکہ انتظار کرو، جب امام مہدی آئے تو اس کے ساتھ بہترین جہاد کرلینا۔ یہی سے مخاطب کے ذہن میں شیعت کے انتظاری جراثیم ڈالا جاتا ہے، اب اس کے بعد رفتہ رفتہ اتحاد و اتفاق کا درس دیتے ہیں کہ دیکھوں یہ وقت اختلاف کا نہیں، بلکہ امام مہدی کا زمانہ انتہائی قریب ہے، لہذا اس فضول بحثوں کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن واضح رہے کہ اختلاف ختم کرنے سے اصل مقصود شیعت اور سنیت کا اختلاف ہوتا ہے، یعنی شیعوں کو اپنا بھائی سمجھو اور اس کے قتل عام پر خاموشی اختیار کرو یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ روافض اثنا عشری کو من حیث الجماعت کافر نہیں کہتے اور اکابر علمائے دیوبند نے جو اثنا عشری کے بارے میں فتوی دیا ہے اس کو سیاسی فتوے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کا مفتی صاحب اور اس کے قریب ساتھی شام میں سنیوں کے قتل عام کے جواب میں جو چند بے سروسامان مجاہدین کھڑے ہوئے ہیں یہ لوگ ان حضرات کے اس دفاعی جہاد کو فتنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایران کے بہت سخت حامی ہے، ایران کی تعریفیں کرتے ہیں، سات اکتوبر کے مبارک حملوں کے بعد جب ایران نے اسرائیل کو دھمکیاں دینا شروع کی تو میں نے حرکت انصار کے واٹس ایپ گروپ میں کہا کہ شیعت کی تاریخ میں غداری ہی غداری ہے اور ایران حملہ نہیں کرسکتا، اس بات پر ایک مفتی صاحب جو یہاں کا بڑا ہے، نے مجھے غصے کے انداز میں کہا کہ آپ ذرا نیوز بھی دیکھ لیا کرے، مطلب یہ تھا کہ آپ حالات سے ناواقف ہیں، اور حالات بتاتا ہے کہ ایران حملہ ضرور کرے گا۔ میں نے کہا وقت ثابت کرے گا ان شاء اللہ کہ کتنی حقیقت تھی کتنا فسانہ؟ بہر حال بتانا یہ مقصود تھا کہ ایران کے حامی بھی صرف اس لئے ہیں کہ

یہ لوگ ایک ایسا فرقہ ایجاد کر رہے ہیں کہ جو نہ شیعہ ہو اور نہ سنی یعنی دونوں کو ایک تیسری فلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہیں، یہ بات میں ان شاء اللہ آگے تحریر میں بیان کروں گا کہ کس طرح ان لوگوں نے شیعی اور سنی عقائد میں درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی ہیں اور عقائد کے بیان کے بعد ان شاء اللہ تنظیم میں بنیادی کمزوریاں بھی واضح کریں گے اور یہ بات ثابت کریں گے کہ ان کے غلط عقائد سے قطع نظر، کیا یہ لوگ واقعی خلافت لاسکتے ہیں؟ اس پر مستقلاً لکھنے کا ارادہ ہے ان شاء اللہ۔

حرکت انصار المہدی یا زیدی شیعوں کا جدید طبع؟

حرکت انصار المہدی پر جب ایک عرب جس کا نام امین جعفر ہے نے یہ اعتراض کیا کہ یہ حضرات، زیدی شیعہ ہیں، اس کے جواب میں تنظیم کے مفتی ابودود حسامی نے اپنی کتاب احکام الحقیقة الغائبة بين السنة والشيعة میں ایک عنون باندھا:

"اليمانى على منهج الامام زيد"

اس کے نیچے لکھتا ہے:

فقد جاءت الروايات تفيد ان اليمانى صاحب كرعة، رايته اهدي الرايات وانه من ذرية زيد. قال الصادق عليه السلام(خروج رجل من ولد عمي زيد باليمن) نور الابصار ص 172

اي علي منهج الامام زيد وليس المقصود انه من نسله، ولكن عني منهجه، ونظرة الزيدية شهيرة في الامامة.

(ص20)

ترجمہ: روایات سے ثابت ہے کہ یمانی، (امام مہدی) کرعہ کے رہنے والے کا جھنڈا تمام جھنڈوں میں ہدایت یافتہ جھنڈا ہو گا، اور وہ زید کے اولاد سے ہو گا، صادق علیہ السلام فرماتے ہیں (میرے چچا زید کے اولاد سے ایک شخص یمن سے نکلے گا۔)

یعنی وہ امام زید کے منہج پر ہو گا، مطلب یہ نہیں کہ امام مہدی زید کے نسل سے ہو گا، لیکن امام صادق کا مقصود منہج تھا، اور زیدیوں کا عقیدہ تو امامت کے بارے میں مشہور ہے۔"

دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا نظریہ معتدل زیدی شیعوں کا ہے، لیکن اپنے لئے کوئی نام پسند نہیں کرتے، بلکہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور کسی نام سے موسوم ہونے کو عیب اور فرقہ واریت تصور کرتے ہیں، اصل میں یہ بھی ایک چال ہے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو باور کرایا جائے کہ ہم تو بہت معتدل اور فرقہ واریت سے دور ہے، حالانکہ اس سے بڑا فرقہ واریت کیا ہوگی کہ اہل سنت والجماعت کے نام سے بھی لوگوں کو متنفر کیا جائے؟ اور پھر بے باکی کی انتہاء تو یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ "اس نام پر اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں اتری" ان جاہلوں کو کون سمجھائے کہ (ما انا علیہ واصحابی) سے محدثین، فقہائے کرام، اور علمائے امت نے کیا سمجھا؟ کیا اہل سنت والجماعت نئی اختراع ہے، یا یہ نام چودسو سالہ تاریخ رکھتی ہے؟ بہر حال اس بے بنیاد بات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولانتسمى بالزيدية ولابغيرها واما باسم الاسلام الذي رضيه الله لنا هو سماكم المسلمين"

(ص21)

ترجمہ: ہم زیدی یا کسی اور نام (اہل سنت والجماعت) سے موسوم ہونے کو پسند نہیں کرتے، بلکہ اسلام کا نام پسند کرتے ہیں جس کو اللہ تعالی نے ہمارے لئے پسند کیا (اللہ نے آپ کو مسلمان کے نام سے موسوم کیا ہے)

پھر اس کے بعد مذکورہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وبعد ہذا فمن قال ان حركة انصار المهدي تأثرت ببيئتها قلنا ونعم التأثر بالفقه والحكمة"

ترجمہ: "اس کے بعد جو کوئی کہے کہ حرکت انصار المہدی اپنے ماحول سے متاثر ہے (یعنی جہاں سے تحریک کی ابتداء ہوئی ہے وہ زیدی شیعوں کا ہے) تو ہم جواب دیں گے کہ تفقہ اور دانائی سے متاثر ہیں"

پھر لکھتے ہیں کہ اپنے ماحول سے، متاثر ہونا عیب کی بات نہیں بلکہ عیب کی بات تو یہ ہے کہ بندہ مردود اور بے کار قول اختیار کریں جیساکہ ابن کثیر نے عمرو بن العاص کے دھوکے کی یہ تاویل کی کہ یہ اسلامی مصلحت تھی

اور عمرو بن العاص اس دھوکہ پر ثواب کا مستحق ہے (ص 21)

نوٹ: حضرت عمرو بن العاص ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں مگر حرکت والے اس کی صحابیت سے زیادہ خوش نہیں۔

عدالت صحابہ کرام کے بارے میں حرکت انصار المہدی کا گمراہانہ مؤقف

یہ بات کسی صاحب عقل سے مخفی نہیں کہ جس دن دین کے ناقلین (صحابہ کرامؓ) سے اعتماد اٹھ جائے اسی دن سے دین کی عمارت گرنا شروع ہو جائے گی اور یوں اسلام ایک رسمی اور نظریاتی مذہب بن جائے گا، اس وجہ سے فسادی لوگ جب بھی مسلمانوں میں فساد اور انتشار پھیلانے کا ارادہ کرتے ہیں تو دین کے ناقلین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کا بنیادی ہدف ہوتا ہے، اور ہدایت کے ان چراغوں پر تاریخی روایات میں من گھڑت قسم کے روایات کی بنا پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ بعض فسادی تو ایسے ہوتے ہیں کہ دو چار صحابہ کرام کے علاوہ کسی کو نہیں بخشتے، بعض فسادی ایسے ہیں کہ ان کو اہل بیت سے چھیڑ ہے، اہل بیت اطہار کے بارے میں قرآنی ارشادات کو چھوڑ کر تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ تاریخ میں ان چیزوں کا ملنا کیا مشکل ہے؟ دشمنان دین کا بھی تو تاریخی روایات میں ایک کردار رہا ہے، لہذا ان چیزوں کا تاریخ میں ملنا بالکل بھی مشکل نہیں۔ بعض فسادی ایسے ہیں کہ اہل بیت کی محبت کا دعوی کرکے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی نفرت کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں، ان جاہلوں کو کون سمجھائے کہ جن اہل بیت کی محبت کی آڑ میں آپ جن تاروں پر کیچڑ اچھالتے ہوں، خود اہل بیت ان کے بارے میں کیا مؤقف رکھتے ہیں؟

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حرکت انصار المہدی بھی مشاجرات صحابہ کرام میں گمراہانہ نظریہ رکھتا ہے، یہ حضرات بھی اہل بیت کی محبت کی آڑ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، (جیسا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) سے اتنے نالاں ہیں کہ ان کے لئے صحابیت کی کسی فضیلت کے قائل نہیں، اور بڑی بے باکی سے چند بے بنیاد باتوں کی بنا پر ایسے حضرات کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس جماعت سے نکالتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کے یہ فاسد اور بے بنیاد استدلات نئی اختراع نہیں ہے، بلکہ وہی پرانی باتیں ہیں جن کے جوابات سے ہمارے اکابر کے کتب بھری پڑی ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے دلائل ذکر کرتے ہیں اور پھر اہل سنت کے موقف بھی واضح کریں گے۔ واللہ ھو المستعان

قرآن وحدیث میں دسیوں نصوص ایسی ہیں جن سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ثابت ہیں ،امام نسائی رحمہ اللہ اور امام احمد نے اس پر مستقل اجزاء تصنیف فرمائے ہیں، لیکن یہاں اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جن خوش قسمتوں نے ایمان کی حالت میں ملاقات فرمائی اور ایمان کی حالت میں ان کی وفات ہوئی ہوں تو ایسے خوش قسمت حضرات کو رسول اللہ ﷺ کی اس صحبت کی وجہ سے خاص فضیلت ثابت ہے، کسی غیر صحابی کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی، خواہ وہ اپنے وقت کا متقی پرہیز گار بلکہ قطب ہو۔

ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ ابراهيم ابن سعيد جوهري سے نقل کرتے ہیں:

"قال سالت ابا اسامة ايما كان افضل معاوية او عمربن عبد العزيز فقال لانعدل باصحاب محمد صلي الله عليه وسلم احدا"

(جامع بيان العلم وفضله ج2ص185)

ترجمہ: میں نے ابو اسامہ (حضرت زید بن علی بن الحسین رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ حضرت امیر معاویہ اور عمر بن عبد العزیز میں سے افضل کون ہے؟ تو فرمانے لگے کہ ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی شہر آفاق تفسیر میں لکھتے ہیں

وكل من اقتفى أثر الصحابة فهو في حكمهم، ولهم الفضل والسبق والكمال الذي لا يلحقهم فيه أحد من هذه الأمة، رضي الله عنهم وأرضاهم، وجعل جنات الفردوس مأواهم (1) ، وقد فعل.

قال مسلم في صحيحه: حدثنا يحيى بن يحيى، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تسبوا أصحابي، فوالذي نفسي بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحدٍ ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه" (2) .

﴿تفسير ابن كثير-ط دار طيبة (7/ 363)﴾

ترجمہ: ”جو بھی صحابہ کرام کی نقش قدم پر چلا تو وہ ان کی طرح ہے، لیکن صحابہ کرام کے لئے وہ فضیلت، سبقت ایمانی، اور کمال مخصوص ہے جس میں امت کا کوئی آدمی بھی ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، اللہ تعالی ان سے راضی ہو اور ان کو خوش کرے اور اللہ جنت الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے، اور یہ ہو چکا ہے۔

امام مسلم نقل فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو! اس ذات کی قسم جس کی قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ کی طرح سونا خرچ کرے تو وہ ثواب میں میرے صحابہ میں سے کسی صحابی کی ایک مد کی مقدار یا آدھے مد کی مقدار تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

پھر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صحبت خواہ طویل عرصہ کے لئے ہو یا کچھ مدت کے لئے موجب فضیلت ہے، اور یہی جمہور امت مسلمہ، محدثین، اور فقہائے کرام کا مسلک ہے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تدریب الراوی میں لکھتے ہیں:

فالأولى أن يقال من لقي النبي صلى الله عليه و سلم مسلما ومات على إسلامه

﴿تدريب الراوي(2/209)﴾

ترجمہ: جامع تعریف، صحابی کی یہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ سے اسلام کی حالت میں ملاقات کرلے اور پھر اسلام کی حالت میں وفات ہو جائے۔

حافظ ابن حجر الاصابہ میں لکھتے ہیں:

وأصح ما وقفت عليه من ذلك أن الصحابي من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمنا به ومات على الإسلام فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت ومن روى عنه أو لم يرو ومن غزا معه أو لم يغز ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه ومن لم يره لعارض كالعمى

﴿الاصابة في تمييز الصحابة(1/4)﴾

ترجمہ: جس صحیح ترین فیصلہ پر میں پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ صحابی وہ شخص ہے جس نے

ایمان کی حالت میں حضور ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر فوت ہوا ہو۔ پس ہر وہ شخص صحابی ہو گا جس کی طویل عرصہ آپ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہو یا تھوڑی دیر اور جس نے آپ ﷺ سے روایت کی ہو یا نہیں، جس نے آپ ﷺ کی رفاقت میں جہاد کیا ہو یا نہیں۔ اور وہ بھی صحابی ہے جس نے ایک ہی بار آپ ﷺ کو دیکھا اگرچہ اسے آپ ﷺ کے پاس بیٹھنا نصیب نہیں ہوا اور وہ بھی صحابی ہے جس نے کسی عارضے مثلاً اندھے پن کی وجہ سے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

جمہور امت تمام صحابہ کرام کے لئے مطلق فضیلت کے قائل ہیں، لیکن چونکہ حرکت انصار المہدی صحابی رسول حضرت امیر معاویہ اور عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما سے خوش نہیں ہیں، اس لئے تاریخی روایات، اختراعی تعریفات اور روایات سے غلط استدلات کی بنا پر ان دونوں حضرات کو صحابیت کی فضیلت سے نکالتے ہیں، چنانچہ شیخ حسن تہامی صحابی کی تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ھو من ادرك الرسول وراہ وآمن بہ،وصدقہ،ومات الرسول صلي اللہ عليہ وسلم وھو عنہ راض ولم يغير بعدہ اويحدث حتي مات“

(المھدي من عترتي ص23)

ترجمہ: صحابی وہ ہوتا ہے جو رسول ﷺ کو پائے اس کو دیکھے، اس پر ایمان لائے، اور آپ ﷺ اس حال میں وفات پائے کہ آپ ﷺ اس سے راضی ہو اور اس نے آپ ﷺ کے بعد دین میں تبدیلی نہ کی ہو اور نہ کوئی بدعت ایجاد کی ہو یہاں تک کہ اس کو موت آئے۔

اس تعریف میں صرف رویت رسول ﷺ کو کافی نہیں سمجھا گیا، بلکہ مزید یہ قید لگائی گئی کہ وہ دین میں تبدیلی نہ کرے اور بدعت ایجاد نہ کرے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جمہور امت کی تعریف کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ اور تبدیلی نہ کرنے سے مراد کیا ہے؟ تو ان سوالوں کا جواب آگے عبارت سے صاف ظاہر ہے، کہ تبدیلی کی قید اس لئے نہیں لگائی کہ منافقین کو صحابہ کی تعریف سے خارج کرے بلکہ یہ قید اس لئے بڑھائی تاکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کی مقدس جماعت سے نکالے، اور تبدیلی سے مراد ارتداد نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ ہے۔ اس وجہ سے

آگے صحابہ کو تین طبقات میں تقسیم کرتے ہیں اول قسم مرتدین ہے دوسری قسم دین میں تبدیلی کرنے والے، یعنی منافقین، اس بحث میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی اصحابی اثنا عشر منافقا.....الخ

پھر لکھتے ہیں کہ

"چونکہ حدیث کا ابتدائی حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے بارے میں ہے تو لازما حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا مقصد وہ منافقین ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کیا"

(ص۲۶)

منافقین سے مراد معاذ اللہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہے، شیخ حسن تہامی نے اگرچہ اس کی تصریح نہیں کی، لیکن سیاق وسباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا مراد کون ہے؟ البتہ تنظیم کے مفتی ابو دود حسامی نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں ہے، لکھتے ہیں:

"امامعاويةومن معه فقد قال فيهم عمار كلاما خطيرا.....في اصحابي اثنا عشر منافقا "

(احكام الحقيقة الغائبة بين السنة والشيعةص۹۱)

ترجمہ: معاویہ کے بارے میں حضرت عمار نے خطرناک بات فرمائی ہے۔۔۔۔ میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں۔

صحابی کی تعریف اور تمام تقسیمات میں ان لوگوں کے کلام کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ مہاجرین اور انصار کو مطلق فضیلت حاصل ہے۔ باقی وہ حضرات جو نہ مہاجر ہوں نہ انصاری ہوں تو ان کی صحابیت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مہاجرین اور انصار کی نیکی کے ساتھ اتباع کرے، یعنی ان کے ساتھ قتال نہ کرے، ان کو گالیاں نہ دیں، اور چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ مہاجر ہے نہ انصاری اور اس نے حضرت علی رضی اللہ سے جنگ بھی کیا ہے لہذا صحابی کی شرف سے وہ بہر حال محروم ہے۔

شیخ حسن تہامی صحابہ کی تیسری قسم ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الذین احدثوا وغیروافی العقائد لا الاعمال کمثل من یسب الصحابة --- من سب اصحاب رسول الله صلي الله عليه وسلم ،فليس منهم و ليس ممن اتبع باحسان،حتي لوكان من الصحابة"

(28 تا 29)

ترجمہ: تیسری قسم وہ صحابہ ہیں جو اعمال میں نہیں بلکہ عقائد میں تبدیلی کرے جیساکہ کوئی (مرتبہ میں کم صحابی) (کبار) صحابہ کو گالی دے۔۔۔ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو گالی دے تو وہ صحابی نہیں اور نہ وہ نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والا ہے، خواہ وہ بظاہر صحابہ کی جماعت میں سے شمار ہوتا ہو۔"

اس کے بعد حسن تہامی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "تم ابوتراب یعنی حضرت علی کو برا بھلا کیوں نہیں کہتے؟"

شیخ حسن تہامی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کیا اور معاذ اللہ ان کو گالی دینے کا رسم بھی جاری کیا لہذا وہ صحابی نہیں۔

ابو دود حسامی نے یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے:

"فاالصحابة هم السابقون الأولون من المهاجرين والانصار وهم الذين مدحهم القران اما من صحب رسول الله ولم يكن من السابقين الاولين من المهاجرين والانصار الذين نصروا الدين فهو صحابي يشترط عليه أن يتبع السابقين الاولين من المهاجرين والانصار باحسان......ان معاوية ليس من المهاجرين ولا من الأنصار ولم يتبع المهاجرين ولا الأنصار بأحسان بل قاتل الامام عليا في صفين وعلي من المهاجرين.لذا معاوية لاتشمله الاية﴿والسبقون الاولين من

المهاجرين و الانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه ﴾

(احكام الحقيقة الغائبة بين السنة والشيعة ص86)

ترجمہ: صحابہ صرف وہ مہاجرین اور انصار ہیں جنھوں نے (ایمان کی دعوت قبول کرنے میں) سب سے پہلے سبقت کی۔ اور ان ہی کی قران نے تعریف فرمائی ہے، ہر چہ وہ شخص ہے جس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا لیکن وہ مہاجرین اور انصار کی جماعت سے سبقت کرنے والے، جنہوں نے دین کی مدد کی، میں نہ ہو تو وہ صحابی ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مہاجرین اور انصار کی جنھوں نے (ایمان کی دعوت قبول کرنے میں) سب سے پہلے سبقت کی، نیکی کے ساتھ پیروی کرے۔۔۔۔۔ معاویہ مہاجرین اور انصار میں نہیں ہے اور نہ اس نے مہاجرین اور انصار کی نیکی کے ساتھ پیروی کی بلکہ وہ تو امام علی سے صفین میں لڑا، حالانکہ علی، مہاجرین سے ہے، لہذا معاویہ کو آیت (کی فضیلت) شامل نہیں کہ (اور وہ مہاجرین اور انصار جنھوں نے (ایمان کی دعوت قبول کرنے میں) سب سے پہلے سبقت کی اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے (سورہ توبہ)

مذکورہ کلام کا حاصل یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی کی فضیلت شامل نہیں، یعنی معاذ اللہ اللہ تعالی اس سے راضی نہیں۔

پھر چند صفحات کے بعد عنوان باندھتا ہے کہ کیا ایمان کی حالت میں صرف زیارت رسول ﷺ صحابی ہونے کے لئے کافی ہے؟ اس عنوان کے تحت بہت تفصیل سے اس بات کی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابی ہونے کے لئے ایمان کی حالت میں دیکھنا کافی نہیں، بلکہ ساتھ ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ ایمان میں سبقت کرنے والے کبار صحابہ کرام کے ساتھ جنگ نہ کرے، اور نہ ان کو گالی دے، ورنہ وہ صحابی شمار نہ ہو گا، اور ایسے شخص کی کوئی فضیلت نہیں ہے، اگرچہ اس نے ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کی زیارت کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کو موت آئی ہو۔ لکھتا ہے:

اما اذا رأي رسول الله صلي الله عليه وسلم وقاتل اصحابه ،فلا قيمة

لصحبته ولا لرؤيته۔

(ص96)

ترجمہ: ہر چہ وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اس کے ساتھیوں سے لڑا، تو اس کی صحبت اور زیارت کی کوئی قیمت نہیں۔

صحابی کی تعریف وغیرہ میں حرکت الانصار کے بڑوں نے جو کچھ لکھا ہیں، ان سارے مباحث اور دلائل کا خلاصہ دو ٹوک انداز میں یہ ہے کہ امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی جیسے عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما صحابہ نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ سے فاسق ٹھہرے، اور یہ فسق ایسا فسق ہے جو صحابیت کی فضیلت کے لئے مانع ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق اہل سنت والجماعت کے عقائد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حرکت انصار المہدی کا نظریہ ماقبل صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا کہ کس طرح یہ حضرات بے بنیاد باتوں کی بناء پر بعض صحابہ کرام کو مطعون کرتے ہیں، اور بے باکی کا یہ عالم ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس جیسے صحابہ کرام کو صحابہ تک گوارا نہیں کرتے، اور ان کے لئے صحابیت کی فضیلت سے کلی انکار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا گروہ کبھی بھی اہل سنت کے معتدل مؤقف سے راضی نہیں ہوسکتے، یہی وجہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں اہل سنت والجماعت کے مؤقف کو شیخ حسن تہامی ہلاکت سے تعبیر کرتے ہیں بہر حال مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو مؤقف جمہور اہل سنت کا ہے وہی کشتی نوح ہے، باقی نئی نئی تعبیرات، تعریفات، تقسیمات، نظریات جس عنوان سے بھی اہل اسلام کو پیش کیا جائے تو ان سے خیر کے بجائے شر، ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلے گی۔ ذیل کی سطور میں صحابہ کرام کے بارے میں جمہور اہل سنت کا مؤقف ذکر کیا جائے گا، اس کے بعد صحابی رسول ﷺ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حرکت انصار المہدی کے بے بنیاد الزامات کے جوابات جمہور اہل سنت سے ذکر کئے جائیں گے۔

صحابہ کرام کے بارے میں جلیل القدر صحابی رسول، عبد اللہ بن مسعود نے جو کچھ فرمایا ہیں اس پر عمل ہی انسان کو گمراہیوں کے چنگل سے نکالتا ہے، فرماتے ہیں:

من كان مستنا فليستن بمن قد مات، أولئك أصحاب محمد صلى الله

عليه وسلم، كانوا خير هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، قوم اختارهم الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم، ونقل دينه، فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم، فهم كانوا على الهدي المستقيم.

(شرح السنة للبغوي،باب رد البدع والأهواء،ج1ص214)

ترجمہ: ابن مسعودؓ نے فرمایا: جو اتباع کرنا چاہتا ہے تو ان کی اتباع کرے جو وفات پا گئے ہیں، وہ لوگ محمد ﷺ کے صحابہ ہیں، وہ اس امت کے بہترین لوگ تھے، امت میں سب سے زیادہ نیک دل لوگ تھے، علم میں سب سے گہرے تھے، سب سے کم تکلف والے تھے، وہ ایسی قوم تھی جسے اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے چنا تھا، انہوں نے اس کے دین کو نقل کیا ، لہذا ان کے اخلاق اور طریقوں کی پیروی کرو، کیونکہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله عز وجل نظر في قلوب العباد، فوجد قلب محمد صلى الله عليه وسلم خير قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه، وابتعثه برسالاته، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراء نبيه صلى الله عليه وسلم يقاتلون عن دينه، فما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون سيئا."

(شرح السنة للبغوي،باب رد البدع والأهواء،ج1ص214)

ترجمہ: اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی، تو محمد ﷺ کے دل کو بندوں کے دلوں میں سب سے بہتر پایا، تو اس کو اپنے لئے چنا، اور اس کو اپنے پیغامات کے ساتھ مبعوث کیا، پھر بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی محمد ﷺ کے دل کے بعد تو آپ ﷺ کے صحابہ کے دلوں کو بہتر پایا تو ان کو اپنے نبی کے وزیر بنا دیئے، جو اس کے دین کے لئے لڑتے ہیں، پس مسلمان جس کو اچھا سمجھے تو وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے، اور جس کو مسلمان برا سمجھے وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔

صحابہ کرام کے اخلاق و کردار اور ان کی دینی و شرعی حیثیت و مقام معلوم کرنے کے لئے تنہا یہ دو ارشادات بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو شخص ان حضرات کے حالات اور واقعات سے واقف ہو، اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں اس مقدس جماعت کے جو کچھ فضائل و شمائل گنوائے اور ان کا جو کچھ مقام و مرتبہ بیان فرمایا، وہ بالکل برحق اور واقع کے ایسے مطابق ہیں جس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہے، آخر کہنے والا خود اسی جماعت کا ایک روشن فرد فرید بلکہ سر فہرست علمی رہنما ہے، وہ کسی جماعت کے متعلق کیونکر بے جا تکلف اور مبالغہ آرائی کی جسارت کر سکتا ہے!

یہ بھی بالکل سچ اور درست فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ تمام نوع انسانی میں سے ان خوش نصیب افراد کو اس علیم و خبیر ذات نے اپنے نہایت محبوب پیامبر ﷺ کی خدمت وصحبت اور اپنے پسندیدہ دین متین کی خدمت و اشاعت کے لئے چنا ہے۔ اب ایسی جماعت اگر واقعی باکمال ثابت ہوتی ہے تو یہ چننے والے کی لیاقت و کمال کی دلیل ہے کہ کیسا حسن انتخاب فرمایا ہے! اور اگر جماعتی حیثیت سے یہ داغدار ثابت ہو جائیں اور ان میں کچھ بھی علمی و اعتقادی کمزوری یا عملی خرابی متحقق ہو جاتی ہے تو یہ درحقیقت چننے والے کی کمزوری شمار ہو گی کہ اتنے اہم اور بھاری منصب کے لئے نااہل اور بے بہرہ افراد کا انتخاب فرمایا جو کسی درجے میں اس عظیم منصب پر فائز ہونے کے مستحق نہ تھے۔ یہ یا تو چننے والے کی ناتجربہ کاری و ناپختگی کا ثبوت ہے اور یا اس بات کا قرینہ ہے کہ کوتاہی و غفلت کے ساتھ یہ انتخاب عمل میں آیا ہے۔

حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) دین اسلام کے ایسے ستون ہیں جن کو اگر ڈھا دیا جائے تو دین و ملت کی عمارت ایک لمحہ کے لئے بھی کھڑی نہ رہ سکے بلکہ ساتھ ہی قصہ پارینہ ہو جائے۔ پھر جس طرح عام انسان اس قابل نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ سے براہ راست رابطہ استوار کر کے اس کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرے اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگی کی گاڑی روانہ کر کے اس کا تقرب حاصل کر سکے، بلکہ درمیان میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا واسطہ ضروری ہے، یوں ہی عام امت اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے درمیان اس مقدس جماعت کا واسطہ ناگزیر ہے اور ہم کسی بھی طرح اس بات کی اہلیت نہیں رکھتے کہ براہ راست حضور ﷺ سے خدائی تعلیمات اور اسلامی احکام و ہدایات حاصل کر سکیں۔ نیز جس طرح خالق اور مخلوق کے درمیان کا واسطہ نہایت اہمیت، حسنِ اعتقاد، اور نظریاتی و عملی دونوں لحاظ سے نہایت وثوق و احترام کی حامل و مستحق

ہے اور اس میں ذرہ بھر شک وتردد یا ناقدری وبے احترامی کی وجہ سے انسان دین اسلام کے سرحدات پار کر کے کفر کی تاریک گھاٹی میں داخل ہو جاتا ہے، یوں ہی رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان کا واسطہ بھی اس جیسی اہمیت، احترام اور تقدّس کا متقاضی ہے۔ فرق اگر ہے تو یہی کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار یا ان کی توہین بذات خود کفر ہے جبکہ صحابہ کرام میں سے کسی کی صحبت (سوائے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کا انکار یا اس کی توہین وتذلیل کرنا فی نفسہ کفر نہیں ہے البتہ عموماً اس رویے کی یہی نحوست ہوتی ہے کہ انجام کار کفر گلے کا ہار بن جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں دیگر علامات قیامت کی طرح یہ نشانی بھی بر سرِ عام دیکھی جا رہی ہے کہ جگہ جگہ مختلف پیرایوں میں امت کے سلف صالحین کی توہین کی جا رہی ہے، آئے دن ان پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے جا رہے ہیں، اور حیرت وتعجب کی بات یہ ہے کہ دشنام درازی اور تنقید کا یہ نامبارک سلسلہ ایسے لوگوں کی طرف سے نہیں بڑھایا جا رہا ہے جو علم وعمل میں اس مقدس جماعت کے برابر یا ان کے قریب تر ہوں، بلکہ اعتقاد وکردار ہر سطح پر ان سے کمزور تر بلکہ کمزوری کی مجسم تصویروں کی جانب سے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ علم وقلم کے فتنے بھی پھوٹتے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امام مہدی کے انصار کا دعوی کرنے والوں کا حال بھی یہ ہے کہ امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کے بارے میں ان حضرات کے دل صاف نہیں ہیں، طرح طرح کے الزامات کی بنا پر ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں اس لئے صحابہ کرام کے بارے میں آپ حضرات کے سامنے جمہور اہل اسلام کے عقائد یکجا ذکر کریں گے تاکہ کوئی سادہ لوح مسلمان حرکت انصار المہدی کے گمراہانہ عقائد کا شکار نہ ہو جائے اور اس مقدس جماعت کی حق تلفی کر کے اپنی دین وایمان کا سودا نہ کر بیٹھے۔ کسی عربی شاعر نے ایسے ہی موقع پر بڑے نکتے کی بات کہی تھی:

يا ناطح الجبل العالي ليكلمه ... أشفق على الرأس لا تشفق على الجبل

ترجمہ: اے بلند وبالا پہاڑ کو زخمی کرنے کے لئے اسے ٹھکر مارنے والے۔۔۔ پہاڑ پر نہیں اپنے سر پر رحم کرو۔

ذیل میں ان ہی باتوں کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن القطان فاسی اپنی مفید کتاب "الاقناع" میں تحریر فرماتے ہیں:

أجمعوا على أن كل من صحب النبي صلى الله عليه وسلم - ولو ساعة - أو رآه - ولو مرة - مع إيمانه به وبما دعا إليه أفضل من التابعين بذلك. وأجمعوا على الكف عن ذكر الصحابة رضي الله عنهم إلا بخير ما يذكرون به. وأجمعوا أنهم أحق أن تنشر محاسنهم ويلتمس لأفعالهم أفضل المخارج، وأن ظن بهم أحسن الظن وأجمل المذاهب. وأجمعوا أن ما كان بينهم من الأمور الدنيوية لا يسقط حقوقهم. وأجمع المسلمون أنه لا يسبهم أو أحدا منهم، ولا يطعن عليهم إلا فاسق. وأجمعوا على هجران من انتقصهم أو أبغضهم أو نالهم بما يكره، وعلى معاداته وإبعاده. وأجمعوا كلهم على القول بقوله تعالى: {والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان}.

(الإقناع في مسائل الإجماع، كتاب الإيمان، ج1ص59.)

ترجمہ: تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے آپ ﷺ کی معمولی صحبت نصیب ہوئی ہے یا ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا ہے وہ تمام تابعین سے افضل ہے اور بجز خیر کے ان کا تذکرہ نہ کرنے پر بھی اتفاق ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ کہ ان کی اچھائیاں بیان کی جائے ان کے کاموں کو صحیح محمل پر حمل کریں ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے اور اچھا رویہ رکھیں، اور ان کے درمیان جو دنیوی معاملات پیش آئے تھے وہ ان کی وجہ سے ان کے حقوق ساقط نہیں ہوتے، اور مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ ان سب کو یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینا جائز نہیں، اور ان پر صرف فاسق ہی طعن کر سکتا ہے، اور اجماع کیا ہے کہ ان کی تنقیص کرنے والے اور ان سے بغض رکھنے والے یا ان کو برائی سے یاد کرنے والے کو چھوڑا جائے گا ،اور ایسے آدمی کی دشمنی اور دور رہنے پر اجماع کیا ہے اور سب نے اللہ تعالی کے اس قول:

{والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا

بالإيمان}. پر عمل کرنے پر اجماع کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جماعت صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے متعلق درج ذیل باتوں پر (کم از کم) اہل حق کا اتفاق ہے:

ا۔ ہر صحابی، تابعین اور امت کے دیگر نیک افراد سے افضل ہے۔

۲۔ مدح و تعریف اور خیر و بھلائی کے بغیر حضرات صحابہ کرام کا تذکرہ جائز نہیں ہے، یعنیٰ ان کی عیب جوئی، تنقید اور تنقیص جائز نہیں ہے۔

۳۔ اگر ان کا کوئی کردار یا گفتار قابل اشکال واعتراض بن سکتا ہو تو اس کو درست محمل پر حمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

۴۔ ان کے درمیان جو دنیوی معاملات پیش آئیں، ان امور کی وجہ سے ان کے حقوق ختم نہیں ہوتے اور اس بنیاد پر ان کی حق تلفی جائز نہیں ہے۔

۵۔ ان میں سے کسی ایک صحابی کی توہین و گستاخی بھی ناجائز، ممنوع اور موجب فسق ہے، جو شخص ایسی جسارت کرتا ہے وہ بالاتفاق فاسق ہے۔

۶۔ جو شخص ان کی توہین و گستاخی کرتا ہے، ان سے بغض و عداوت رکھتا ہے یا کسی اور صورت میں ان کی حق تلفی کرتا ہے، ایسے شخص کے ساتھ تعلق چھوڑنا، بغض رکھنا اور اس سے دور رہنا ضروری ہے۔

۷۔ ان کے لئے دعاء مغفرت کرلینی چاہئے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل باتیں بھی نصوص سے ثابت ہیں اور اہل حق کا ان پر اتفاق ہے:

۸۔ تمام صحابہ کرام یقیناً مؤمن اور جنتی ہیں، ان سے اگر گناہوں کا صدور ہوا بھی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کا واضح اعلان بھی فرمایا ہے۔

۹۔ ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور وہ سب اپنے کریم رب سے راضی ہیں۔

۱۰۔ وہ کافروں کے حق میں سخت اور آپس میں نرم تھے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے فضل کے طلب گار تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

{وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ

حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ} [الأنفال:74]

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

{وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ}

[التوبة:100]

ترجمہ: اور جو لوگ قدیم میں پہلے ہجرت کرنے والوں اور مدد دینے والوں میں سے اور وہ لوگ جو نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہوئے اور وہ اس سے راضی ہوئے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

{ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ}

[الفتح:29]

ترجمہ: اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے۔

۱۱۔ تمام صحابہ کرام تمام فضائل میں برابر نہ تھے بلکہ ان میں سے بعض دوسروں سے افضل بھی تھے۔ ان میں سب سے افضل وہی چار خلفاء کرام ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی رحلت فرمانے کے بعد امت کی قیادت وسیادت کی بھاری بھر ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے کر احسن طریقے سے اس کی تکمیل فرمائی۔ پھر ان چاروں خلفاء کرام کے درمیان فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت کی ہے یعنی سب سے افضل حضرت صدیق اکبر، پھر حضرت

فاروق اعظم، اس کے بعد حضرت عثمان غنی اور پھر چوتھے نمبر پر حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعظیم اور فضیلت کے مستحق نہیں، بلکہ یہ فرق مراتب آپس میں ہے، باقی ہمارے جیسے لوگوں کے لئے وہ سب کے سب قابل تعظیم ہے، اور ہمارے لئے کسی ادنی سے ادنی صحابی کی توہین ناجائز اور حرام بلکہ گمراہی ہے۔ (مذکورہ وضاحت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ حرکت انصار المہدی کے مفتی ابوداد حسامی مہاجرین اور انصار کے خاص فضائل میں وارد ہونے والی نصوص کو بنیاد بنا کر جگہ جگہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر برس پڑتے ہیں)

۱۲۔ تمام صحابہ کرام نیک وعادل تھے، ان میں سے کسی کو فاسق وظالم کہنا حرام اور خود ظلم ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعْلَم أن الَّذِی أجمع عَلَيْهِ أهل السّنة وَالْجَمَاعَة أَنه يجب على كل أحد تَزْكِيَة جَمِيع الصَّحَابَة بِإِثْبَات الْعَدَالَة لَهُم والكف عَن الطعْن فيهم وَالثنَاء عيلهم ..فَإِذا شهد تَعَالَى فيهم بِأَنَّهُم خير الْأُمَم وَجب على كل أحد اعْتِقَاد ذَلِك وَالْإِيمَان بِهِ وَإِلَّا كَانَ مُكَذبا لله فِي إخْبَاره وَلَا شكّ أَن من ارتاب فِي حقية شَيْء مِمَّا أخبر الله أَو رَسُوله بِهِ كَانَ كَافِرًا بِإِجْمَاع الْمُسلمين (الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، الخاتمة فِي بَيَان اعْتِقَاد أهل السّنة وَالْجَمَاعَة فِي الصَّحَابَة رضوَان الله عَلَيْهِم، ج2ص 603)

ترجمہ: اہل سنۃ والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر کسی پر تمام صحابہ کا تزکیہ ان کے لئے عدالت ثابت کرنے اور ان پر طعن سے رکنے، اور خیر کے ساتھ ان کے ذکر کرنا واجب ہے۔ جب اللہ تعالی نے ان کے خیر الامم ہونے کی گواہی دی تو ہر کسی پر اس کا اعتقاد اور اس پر ایمان واجب ہے، ورنہ اللہ تعالی کے اس کے خبر کی تکذیب لازم ہوگی، اور اس میں شک نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی باتوں میں شک کرے وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعتقاد أهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما أثنى الله عليهم سبحانه وتعالى عليهم إذ قال: كنتم خير أمة أخرجت للناس.

(المسائرۃ مع المسامرۃ، ص259.)

ترجمہ: اہل سنۃ کا عقیدہ تمام صحابہ کا تزکیہ اور ان کے ذکر خیر کا ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے ان کا ذکر خیر فرمایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: آپ بہترین امت ہو لوگوں کے نفع رسانی کے لئے نکالے گئے۔

(ماخوذ از مقالات رحمانی لمفتی عبید الرحمان)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ الاصابۃ میں لکھتے ہیں:

وقال أبو محمد بن حزم الصحابة كلهم من أهل الجنة قطعا قال الله تعالى لا يستوي منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئك أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعد الله الحسنى وقال تعالى إن الذين سبقت لهم منا الحسنى أولئك عنها مبعدون فثبت أن الجميع من أهل الجنة وأنه لا يدخل أحد منهم النار لأنهم المخاطبون بالآية السابقة(الاصابة في تمييز الصحابةج 1ص 7)

ترجمہ: علامہ ابو محمد ابن حزم کہتے ہیں کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل جنت میں سے ہیں ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں جس نے فتح مکہ سے پہلے انفاق اور قتال کیا وہ اس کے برابر نہیں جس نے بعد میں انفاق اور قتال کیا (الایہ) نیز اللہ تعالی فرماتے ہیں جن لوگوں سے ہماری طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے۔ یہ لوگ آگ سے دور رکھے جائیں گے، پس ثابت ہوا کہ تمام صحابہ اہل جنت میں سے ہیں اس لئے کہ آیت سابقہ میں وہی (فتح مکہ سے پہلے اور بعد کے صحابہ کرام) مخاطب ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتد به

سب صحابہ کرام عادل ہیں فتنہ سے دوچار ہونے والے بھی اور دوسرے بھی اس پر معتمد علمائے کرام کا اجماع ہے۔

شرح میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

وقالت المعتزلة عدول الا من قاتل عليا (تدريب الراوي(2/214))

ترجمہ معتزلہ کہتے ہیں کہ سب عادل ہیں سوائے اس کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑا ہو۔(یعنی وہ عادل نہیں، بلکہ باغی اور ظالم ہے)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے، اور تمام صحابہ کرام عادل ہیں یعنی صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کو ظالم اور فاسق کہنا جائز نہیں ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام معصوم ہیں، بلکہ عدالت کا مطلب یہ ہے کہ گو بعض اوقات بعض صحابہ کرام سے گناہ سرزد ہوئی، لیکن صحابہ کرام میں سے جن افراد سے ایسی کوئی صریح غلطی صادر ہوئی جس کو لوگ ہدفِ تنقید بنا سکتے ہوں تو وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس قدر صدق وندامت کے ساتھ توبہ کی توفیق نصیب ہوئی جس نے بعد کے آنے والے لوگوں کے لئے انگلی رکھنے کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی، چنانچہ حضرت ماعزاسلمی اور غامدیہ کے رجم ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے ان کے صدقِ توبہ کی خود خبر دی تھی، غامدیہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر ناجائز طور پر لوگوں سے ٹیکس لینے والا جیسا ظالم آدمی بھی ایسی توبہ کرے تو اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔

اب جمہور اہل اسلام کا یہ مؤقف تمام صحابہ کرام کے متعلق ہے، لیکن حرکت انصار المہدی کے بڑے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہر حال فاسق اور ظالم ہے، اور صحابی کی فضیلت کے مستحق نہیں ہے، حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام صحابہ کرام کی تعدیل واجب ہے، اور کسی صحابی کے تنقیص اور عیب جوئی کرنا حرام ہے، اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تو صراحۃً لکھا ہیں کہ بعض صحابہ کرام کی عدالت سے انکار کرنا اہل باطل، معتزلہ کا مسلک ہے لکھتے ہیں:

وقالت المعتزلة عدول الا من قاتل عليا (تدريب الراوي (2/ 214))

معلوم ہوا کہ حرکت انصار المہدی جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے انکار کرتے ہیں یہ دراصل معتزلہ کا مسلک ہے جس کو انہوں نے تحقیق کا نام دے کر سادہ لوح مسلمانوں کو پیش کر کے ان سے اپنی تحقیق کی داد وصول کی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ امام مالک سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال مالك رحمه الله من شتم النبي صلى الله عليه وسلم قتل ومن شتم أصحابه أدب وقال أيضا من شتم أحدا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أبا بكر أو عمر أو عثمان أو معاوية أو عمرو بن العاص فإن قال كانوا على ضلال وكفر قتل وإن شتمهم بغير هذا من مشاتمة الناس نكل نكالا شديدا

(الشفا بتعريف حقوق المصطفى ج2ص 308)

ترجمہ: امام مالک فرماتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے اس کے صحابہ میں سے کسی کو برا بھلا کہا خواہ ابو بکر، عمر، عثمان، رضی اللہ عنہم ہوں یا حضرت معاویہ اور عمرو بن العاص ہوں اگر یوں کہا کہ وہ کافر ہے اور گمراہ تھے تو واجب القتل ہے اور اگر عام لوگوں جیسی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں امام طحاوي رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت یعنی جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ونحب أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نفرط في حب أحد منهم ولا نتبرأ من أحد منهم ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم ولا نذكرهم إلا بخير وحبهم دين وإيمان وإحسان وبغضهم كفر ونفاق وطغيان

ترجمہ: ہم (جمہور اہل اسلام) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں، اور کسی ایک صحابی کی محبت میں حد سے تجاوز نہیں کرتے، اور نہ کسی ایک صحابی سے اظہار برأت کرتے ہیں، اور جو لوگ صحابہ سے دشمنی کرتے ہیں اور ان کا تذکرہ خیر سے نہیں کرتے ہم ان دشمنی کرتے ہیں، ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بھلائی ہی سے کرتے ہیں، ان کی محبت دین اور ایمان ہے، اور ان سے دشمنی کفر، منافقت اور سرکشی ہے۔

آپ حضرات کے سامنے ائمہ اہل سنت کے چند عبارات مشت از نمونہ خروار کے طور پر رکھ دیئے ورنہ دسیوں

نصوص اور عبارات ائمہ اہل سنت ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی صحابی کی تنقیص، اور عیب جوئی کرنا حرام ہے، خواہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہو یا عمرو ابن العاص، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہو، اور کسی بھی صحابی سے دشمنی کرنا، تاریخی روایات کی بنیاد پر اس کی کردار کشی کرنا سخت حرام اور گمراہی ہے، اور یہی جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔ اب جو گروہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کی آڑ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے دشمنی کرتے ہیں اور ان کی صحابیت سے انکار کرتے ہیں، تو وہ جماعت یا گروہ ائمہ اہل سنت کی نصوص کی روشنی میں بلاشبہ گمراہ ہے۔

(جاری)

مفتی محمد مجاہد صاحب حفظہ اللہ

بطن اطہر معاویہ رضی اللہ عنہ اور بغضِ جہلمی

مرزا محمد علی جہلمی اور اس کے اندھے مقلدین روافض کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے دلوں میں بغض پیدا کرنے کے لیے یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کو بد دعا دی تھی اللہ کرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ نہ بھرے اس روایت کے بارے میں جو کچھ محدثین نے لکھا ہے ہم ایک تحقیقی مضمون قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور فیصلہ آپ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ آیا یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت۔

اس حدیث کی فنی تحقیق اور محدثین کے اقوال

پہلے وہ مکمل حدیث پڑھ لیں

صحیح مسلم۔ کتاب: صلہ رحمی کا بیان

باب: نبی ﷺ کا ایسے آدمی پر لعنت کرنا یا اسکے خلاف دعا فرمانا حالانکہ وہ اس کا مستحق نہ ہو تو وہ ایسے آدمی کے لئے اجر اور رحمت ہے۔

حدیث نمبر: 6628

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ ح و حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الْقَصَّابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَارَيْتُ خَلْفَ بَابٍ قَالَ فَجَاءَ فَحَطَأَنِي حَطْأَةً وَقَالَ اذْهَبْ وَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ قَالَ فَجِئْتُ فَقُلْتُ هُوَ يَأْكُلُ قَالَ ثُمَّ قَالَ لِيَ اذْهَبْ فَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ قَالَ فَجِئْتُ فَقُلْتُ هُوَ يَأْكُلُ فَقَالَ لَا أَشْبَعَ اللَّهُ بَطْنَهُ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى قُلْتُ لِأُمَيَّةَ مَا حَطَأَنِي قَالَ قَفَدَنِي قَفْدَةً

ترجمہ: محمد بن مثنی، عنبری ابن بشار ابن مثنی امیہ بن خالد شعبہ، ابی حمزہ قصاب حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ

تشریف لے آئے تو میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے میرے دونوں کندھوں کے درمیان تھپکی دی اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا کر لاؤ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں آیا اور پھر میں نے عرض کیا وہ (کھانا) کھا رہے ہیں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا کر لاؤ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر آ کر عرض کیا وہ کھانا کھا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔

اس حدیث کے مرکزی راوی عمران بن ابی عطاء کے کوائف

اس حدیث کے مرکزی راوی عمران بن ابی عطا ہیں اگرچہ کچھ محدثین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے مگر دیگر کئی ائمہ جرح والتعدیل کی طرف سے اس پر جرح بھی کی گئی ہے۔ امام الجرح والتعدیل امام عقیلی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسی راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے ان کے بقول یہ راوی ضعیف ہے کیونکہ ان کا کوئی متابع موجود نہیں ہے۔ چنانچہ امام عقیلی لکھتے ہیں:

«الضعفاء الكبير للعقيلي» (3/299):

«عِمْرَانُ بْنُ أَبِي عَطَاءٍ أَبُو حَمْزَةَ الْقَصَّابُ وَاسِطِيٌّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، لَا يُتَابَعُ عَلَى حَدِيثِهِ، وَلَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهِ»

پھر آگے وہی حدیث لائے ہیں جو رافضی پیش کرتے ہیں۔

«الضعفاء الكبير للعقيلي» (3/299):

وَمِنْ حَدِيثِهِ: مَا حَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ خُزَيْمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا فَهْدُ بْنُ عَوْفٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الْقَصَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: " كُنْتُ غُلَامًا أَسْعَى مَعَ الْغِلْمَانِ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِنَبِيِّ اللَّهِ خَلْفِي مُقْبِلًا فَقُلْتُ: مَا جَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَّا إِلَيَّ، قَالَ: فَسَعَيْتُ حَتَّى أَخْتَبِئَ وَتَوَارَيْتُ، قَالَ: فَلَمْ أَشْعُرْ حَتَّى تَنَاوَلَ بِقَفَائِي فَحَطَأَنِي حَطْأَةً فَقَالَ: «اذْهَبْ فَادْعُ مُعَاوِيَةَ» . وَكَانَ كَاتِبَهُ صلى الله عليه وسلم، فَسَعَيْتُ فَأَتَيْتُ مُعَاوِيَةَ فَقُلْتُ: أَجِبِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَذَكَرَ الْحَدِيثَ

اس راوی کا پورا تعارف

اس راوی کا پورا نام عمران بن بیٔ عطاء الواسطی، أبو حمزة القصاب، ہے

امام ابن معین ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں

دیگر محدثین امام ابو حاتم امام نسائی امام ابو داؤد ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

«تذہیب تہذیب الکمال فی أسماء الرجال» (230/7):

«وقال ابن معين: ثقة. وقال أبو حاتم

والنسائي، وغيرہما: ليس بقوى.»

امام عقیلی رحمہ اللہ کے حوالے سے گزرا وہ تو اس پوری حدیث ہی کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھا ہے: صدوق له أوہام

«تقريب التہذيب» (ص430):

«5163- عمران ابن أبى عطاء الأسدى مولاهم أبو حمزة بالمہملة والزاى القصاب

[بياع القصب] الواسطى صدوق له أوہام من الرابعة ى م»

یعنی ائمہ کی ایک بڑی جماعت نے اس راوی کو (ضعیف صدوق له اوهام ليس بالقوى فيه لين

ضعیف) جیسے الفاظ سے یاد فرمایا ہے جو اس راوی کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

امام ابن حبان اور دیگر کچھ محدثین نے اس کو ثقہ بھی قرار دیا۔ اگر اس حدیث کو ان تمام چیزوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے صحیح الاسناد تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی فضیلت میں بیان کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ اس حدیث کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے لائے ہیں۔ امام مسلم نے جو اس حدیث پر چیپٹر قائم کیا ہے اور باب باندھا ہے وہ یہ ہے:

«صحیح مسلم» (24/8):

«بَابٌ: مَنْ لَعَنَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَوْ سَبَّهُ أَوْ دَعَا عَلَيْهِ، وَلَيْسَ هُوَ أَهْلًا لِذَلِكَ كَانَ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا وَرَحْمَةً»

نبی ﷺ کا ایسے آدمی پر لعنت کرنا یا اسکے خلاف دعا فرمانا حالانکہ وہ اس کا مستحق نہ ہو تو وہ ایسے آدمی کے لئے اجر اور رحمت ہے۔

یعنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کا مستحق نہ ہو اور اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

بد دعا کر دی ہو تو اللہ تعالی اس کے لیے اجر اور قیامت والے دن رحمت بنا دے گا حضرت امام مسلم رحمہ اللہ اس حدیث کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ثابت کرنے کے لیے لائے ہیں اور روافض نے اس کو مطاعن میں شمار کر دیا ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور کی بد دعا کے مستحق تھے؟

لیجیے اس کا بھی فیصلہ ہم محدثین ہی سے پیش کر دیتے ہیں ایا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کے مستحق تھے یا نہیں تھے لیجیے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«شرح النووی علی مسلم» (16/156):

«وَقَدْ فَهِمَ مُسْلِمٌ رحمه الله مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ مُعَاوِيَةَ لَمْ يَكُنْ مُسْتَحِقًّا لِلدُّعَاءِ عَلَيْهِ فَلِهَذَا أَدْخَلَهُ فِي هَذَا الباب وجعله غيره من مناقب معاويةلانه فِي الْحَقِيقَةِ يَصِيرُ دُعَاءً لَهُ»

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کے مستحق نہیں تھے اور اسی وجہ سے اس حدیث کو اس باب میں لے کر آئے ہیں اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت معاویہ کے فضائل میں بیان کیا ہے اس لیے یہ فی الحقیقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت اور بخشش کی دعا ہے۔

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ کا اس حدیث پر بیانیہ

امام نووی رحم اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

«شرح النووی علی مسلم» (16/152):

«أَنَّ مَا وَقَعَ مِنْ سَبِّهِ وَدُعَائِهِ وَنَحْوِهِ لَيْسَ بِمَقْصُودٍ بَلْ هُوَ مِمَّا جَرَتْ بِهِ عَادَةُ الْعَرَبِ فِي وَصْلِ كَلَامِهَا بِلَا نِيَّةٍ كَقَوْلِهِ تَرِبَتْ يَمِينُكَ وعَقْرَى حَلْقَى»

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سب یا دعا کے الفاظ صادر ہوئے ہیں وہ غیر ارادی طور پر صادر ہوئے ہیں اور تسلسل کے ساتھ بات جاری رکھتے ہوئے بغیر نیت کے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کا (آپ نے ایک صحابی) کو یہ کہنا کہ آپ ہاتھ خاک الود ہو اور (آپ نی ایک زوجہ کو یہ کہنا) کہ اللہ کرے آپ کی اولاد نہ ہو۔

تھوڑا سا آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

«شرح النووی علی مسلم »(152/16):

«وَإِنَّمَا كَانَ يَقَعُ ہَذَا مِنْهُ فِي النَّادِرِ وَالشَّاذِّ مِنَ الْأَزْمَانِ وَلَمْ يَكُنْ صلى الله عليه وسلم فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا مُنْتَقِمًا لِنَفْسِهِ»

ایسے کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے شاذ ونادر نکلتے تھے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو فحش گو تھے اور نہ ہی کسی پر لعنت کرنے والے اور نہ ہی آپ نی ذات کے لیے کسی سے انتقام لینے والے تھے۔

عرب دنیا کے مشہور عالم علامہ البانی رحمہ کے نزدیک مرزا جہلمی گمراہ ہے

واضح رہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ کو مرزا صاحب اکثر اپنے مذموم مقاصد کے لیے پیش کرتا رہتا ہے یہی علامہ البانی صاحب لکھتے ہیں:

«سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها» (165/1):

«وقد يستغل بعض الفرق ہذا الحديث ليتخذوا منه مطعنا فی معاوية رضی الله عنه،وليس فيه ما يساعدہم على ذلك، كيف وفيه أنه كان كاتب النبی صلى الله عليه وسلم؟ ! ولذلك قال الحافظ ابن عساكر (16/349/2)"إنه أصح ما ورد فی فضل معاوية

ترجمہ: بعض گمراہ فرقے اس حدیث کو حضرت معاویہ رضی اللہ پر طعن شمار کرتے ہیں وہ آپ نے اس مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کاتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اسی وجہ سے حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں سب سے صحیح ترین حدیث یہی ہے

پھر ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔

«سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها»(165/1):

«دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان، فكلماه بشيء لا أدرى ما ہو فأغضباه، فلعنهما وسبهما، فلما خرجا قلت: يا رسول الله من أصاب من الخير شيئا ما أصابه ہذان؟ قال: وما ذاك؟ قالت: قلت: لعنتہما وسببتہما،قال: " أو ما علمت ما

شارطت عليه ربی؟ قلت: اللهم إنما أنا بشر، فأی المسلمين لعنته أو سببته فاجعله له زكاة وأجرا ".

" أو ما علمت ما شارطت عليه ربی؟ قلت: اللهم إنما أنا بشر فأی المسلمين لعنته أو سببته فاجعله له زكاة وأجرا ".»

،سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو آدمی آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کسی چیز کے بارے میں بات کی میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بات تھی انہوں نے آپ ﷺ کو ناراض کر دیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں پر لعنت کی اور ان کو برا کہا تو جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ان دونوں آدمیوں کو جو تکلیف پہنچی ہے وہ تکلیف اور کسی کو نہ پہنچی ہو گی آپ نے فرمایا وہ کس طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا آپ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے اور انہیں برا کہا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ میں نے آپ نے پرور دگار سے کیا شرط لگائی ہے میں نے کہا اے اللہ میں ایک انسان ہوں تو میں نے مسلمانوں میں سے جس پر لعنت کروں یا اسے برا کہوں تو تو اسے اس کے گناہوں کی پاکی اور اجر بنادے۔

پھر آگے ایک اور روایت بیان کرتے ہیں وہ بھی صحیح مسلم میں موجود ہے۔

«سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها»(1/166):

«كانت عند أم سليم يتيمة وہی أم أنس، فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم اليتيمة، فقال: آنت ہی؟ لقد كبرت لا كبر سنك فرجعت اليتيمة إلى أم سليم تبكی فقالت أم سليم: ما لك يا بنية؟ فقالت الجارية: دعا علی نبی الله صلى الله عليه وسلم أن لا يكبر سنی أبدا، أو قالت: قرنی، فخرجت أم سليم مستعجله تلوث خمارها حتى لقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما لك يا أم سليم؟ فقالت يا نبی الله، أدعوت على يتيمتی؟ قال:وما ذاك يا أم سليم؟ قالت: زعمت أنك دعوت أن لا يكبر سنها، ولا يكبر قرنها قال: فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم قال:" يا أم سليم! أما تعلمين أن شرطی على ربی؟ أنی اشترطت على ربی فقلت: إنما أنا بشر أرضى كما يرضى البشر، وأغضب كما يغضب البشر، فأيما أحد

دعوت عليه من أمتي بدعوة ليس لها بأهل، أن يجعلها له طهورا وزكاة وقربة يقربه بها منه يوم القيامة ".»

ترجمہ: زہیر بن حرب، ابو معن رقاشی زہیر اسحاق بن ابی طلحہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ام سلیم کے پاس ایک یتیم بچی تھی اور وہ ام انس تھی رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا یہ تو وہی بچی ہے تو تو بڑی ہو گئی ہے اللہ کرے تیری عمر بڑی نہ ہو یہ سن کر وہ لڑکی ام سلیم کے پاس روتے ہوئے آئی ام سلیم نے کہا اے بیٹی تجھے کیا ہوا اس لڑکی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے بد دعا دی ہے کہ میری عمر بڑی نہ ہو تو اب میں کبھی بوڑھی نہیں ہوں گی یا اس نے کہا میرا زمانہ زیادہ نہ ہو گا تو حضرت ام سلیم جلدی میں آپ نے سر پر چادر اوڑھتے ہوئے نکلی یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا اے ام سلیم تجے کیا ہوا حضرت ام سلیم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا آپ ﷺ نے میری یتیم بچی کے لئے بد دعا کی ہے آپ نے فرمایا اے ام سلیم وہ کیا؟ حضرت ام سلیم نے عرض کیا اس بچی کا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے اسے یہ بد دعا دی ہے کہ اس کی عمر بڑی نہ ہو اور نہ اس کا زمانہ بڑا ہو راوی کہتے ہیں کہ اس کی عمر بڑی نہ ہو اور نہ اس کا زمانہ بڑا ہو راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنسے پھر فرمایا اے ام سلیم کیا تو نہیں جانتی کہ میں نے آپ نے پروردگار سے شرط لگائی ہے اور میں نے عرض کیا ہے کہ میں ایک انسان ہوں میں راضی ہوتا ہوں جس طرح کہ انسان راضی ہوتا ہے اور مجھے غصہ آتا ہے جس طرح کہ انسان کو غصہ آتا ہے تو اگر میں آپ نی امت میں سے کسی آدمی کو بد دعا دوں اور وہ اس بد دعا کا مستحق نہ ہو تو (اے اللہ!) اس بد دعا کو اس کے لئے پاکیزگی کا سبب بنا دینا اور اسے اس کے لئے ایسا قرب کرنا کہ جس سے وہ قیامت کے دن تجھ سے تقرب حاصل کرے۔

مرزا جہلمی ملحدین کا سہولت کار

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ مختلف روایات کو لے کر آئے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے شاذ و نادر ایسے کلمات جاری ہو جاتے تھے جو اللہ تعالی کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت اس شخص کے لیے اجر اور قیامت والے دن رحمت کا سامان ہیں۔ اب اس حدیث کو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں پیش کرنا قرین انصاف نہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورے جہانوں کے لیے رحمت ہیں آپ ایک یتیم بچے کے حق میں کیسے بد دعا دے سکتے ہیں پھر ملحدین بھی ایسی روایات کا سہارا لے کر حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور مرزا صاحب ملحدین کی بھرپور سہولت کاری کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میسج حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تھا

ایک بات جس کو بعض معاصرین پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پہنچا تھا تحقیقی نظر سے یہ موقف درست معلوم نہیں کیونکہ بعض روایات میں اس کی صراحت موجود ہے جیسا کہ مسند احمد کی یہ روایت موجود ہے

«مسند أحمد» (3/346 ت أحمد شاكر):

«3104- حدثنا بكر بن عيسى أبو بشْر الراسبي حدثنا أبو عَوَانة عن أبي حَمْزة قال: سمعت ابن عباس يقول: كَنت غلاماً أسعى مع الغلمان، فالتفتُّ فإذا أنا بنبي الله- صلى الله عليه وسلم خلفي مقبلاً، فقلت: ما جاء نبيُّ الله- صلى الله عليه وسلم إلاّ إليّ، قال: فسعيتُ حتى أختبئَ وراء باب دار، قال: فلم أشْعُرْ حتى تناولني، فأخذ بقفاي فحَطَأَني حطْأَةً، فقال: "اذهب فادْعُ لي معاوية"، قال: وكان كاتِبَه، فسعيتُ فأَتيت معاوية، فقلت: أجبْ نبيَّ الله صلى الله عليه وسلم، فإنه على حاجة.»

اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ سمجھ اتی ہے کہ وہ الفاظ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بطور طعن کی پیش کیے جاتے ہیں ان الفاظ کا اس روایت میں نام ونشان تک نہیں ہے اگرچہ یہ بات بھی اس حدیث سے معلوم ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میسج حضرت معاویہ تک پہنچایا گیا تھا۔

فضیلتِ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بیان میں اول تو یہ بات خوب ذہن نشین رہنی چاہیے کہ وہ تمام فضائل و مناقب جو مطلقاً بغیر کسی تقیید و تخصیص کے مجموعی طور پر جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں وارد ہوئے ہیں، ان کا مصداق جہاں پوری جماعتِ صحابہؓ ہے، بعینہٖ اسی طرح ان فضائل و کرامات میں حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برابر کے شریک وسہیم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعاء کرنا

ابھی تک جو تفصیل گزری اگر چہ وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مناقب کا بیان تھا البتہ ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کیا کوئی موقع ایسا بھی آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کے لیے کوئی اور بھی دعا کی ہو اور ہمارا یہ ایمان اور یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ دعائیں بارگاہ الہی میں قبول ہیں۔

مرزا کی چہیتی ایپ اسلامک 360 سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل صحیح سند کے ساتھ

SunanTirmizi#3842

کتاب: فضائل و مناقب

Status: صحیح

www.theislam360.com

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عُمَيْرَةَ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ . قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ”اے اللہ! تو ان کو ہدایت دے اور ہدایت یافتہ بنادے، اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے“

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

SunanTirmizi#3843

کتاب: فضائل و مناقب

Status: صحیح

www.theislam360.com

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ وَاقِدٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ حَلْبَسٍ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: لَمَّا عَزَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُمَيْرَ بْنَ سَعْدٍ، عَنْ حِمْصَ وَلَّى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ النَّاسُ: عَزَلَ عُمَيْرًا وَوَلَّى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ عُمَيْرٌ: لَا

تَذْكُرُوا مُعَاوِيَةَ إِلَّا بِخَيْرٍ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اهْدِ بِهِ . قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، قَالَ: وَعَمْرُو بْنُ وَاقِدٍ يُضَعَّفُ.

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد کو حمص سے معزول کیا اور ان کی جگہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا تو لوگوں نے کہا: انہوں نے عمیر کو معزول کر دیا اور معاویہ کو والی بنایا، تو عمیر نے کہا: تم لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھلے طریقہ سے کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «اللهم اهدبه» ”اے اللہ! ان کے ذریعہ ہدایت دے“۔

امام ترمذی کہتے ہیں: ۱- یہ حدیث غریب ہے، ۲- عمرو بن واقد حدیث میں ضعیف ہیں۔

اب اتنی زیادہ گزارشات کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مرزا صاحب کا جو ڈرامہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی بھی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے وہ غلط ثابت ہوا اور وہ حدیث جو مرزا صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پیش کرتا تھا اس حدیث کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہونا ثابت ہوگیا۔ فللہ الحمد

محترم عادل زمان فاروقی صاحب فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی (قسط:۱)

مماتیت ایک نظر میں

اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کی طرف نسبت کرنے سے آدمی اہل السنت والجماعت حنفی دیوبندی نہیں کہلاتا بلکہ عقائد و نظریات کا متفق ہونا ضروری ہے۔ اہل السنت والجماعت فرقہ ناجیہ ہے باطل کا ہمیشہ یہ طرز رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہل حق کی طرف منسوب کرتا رہا ہے۔ اور اس کے پس پردہ وہ اپنے باطل عقائد و نظریات کی ترویج کرتا ہے تاکہ لوگ اس کے پر فریب دعوے سے متاثر ہو کر اس کی مکاری اور چالاکی جس پر باطل نے اپنی اہل حق کی طرف نسبت سے نقاب ڈالا ہوتا ہے جب ان کی اس روش سے نقاب کشائی ہوتی ہے۔ تو لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے اور ان کے باطل عقائد و نظریات پر بننے والی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے اس لیے باطل اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے سادہ لوح عوام کو دھوکے میں رکھیں اور ان کے بد بودار عقائد و نظریات لوگوں پر عیاں نہ ہوں لیکن وہ بد بودار نظریات ہوتے ہیں سارے ماحول کو متعفن کرتے ہیں تو ایک نہ ایک دن اس کی قلعی کھل جاتی ہے اور ان کی حقیقت سامنے آجاتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے　　　خوشبو کبھی آ نہیں سکتی کاغذ کے پھولوں سے

یہی طرز مماتیوں کا ہے وہ بھی اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت احناف دیوبند سمجھتے ہیں قرآن و سنت کے دعوے دار ہیں یہ محض ان کا دجل و فریب ہے یہ ٹولہ صرف اپنے باطل نظریات کو پھیلانے کے لیے اپنی نسبت اہل حق کی طرف کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور یہ باور کرواتے ہیں کہ ہم ہی اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کے حقیقی علم بردار ہیں آنے والی سطور میں اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کے عقائد و نظریات سے متصادم ان کے چند عقائد و نظریات کو اجمالا حوالہ قرطاس کرتا ہوں۔ غیر جانبدار طبقہ، انصاف پسند طبقہ، متلاشیان حق، سنجیدہ طبقے، کو دعوت فکر دوں گا کہ وہ ان کے عقائد و نظریات بغور مطالعہ کریں اور خود فیصلہ کریں کہ کیا ان کے عقائد و نظریات اہل السنت والجماعت احناف دیوبند والے ہیں یا ان کے خانہ زاد ہیں۔ مماتیوں کا اہل السنت والجاعت احناف دیوبند سے کوئی تعلق نہیں یہ محض ان کا دعوی بلا دلیل ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے تاریخ کے اوراق پلٹنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اہل باطل ہمیشہ خوشنما

لیبل لگا کر اٹھا ہے اور اس نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے ان سے بعض وہ حضرات بھی متاثر ہو جاتے ہیں جن کے سامنے ان کے عقائد و نظریات نہیں ہوتے وہ ان کو اہل حق میں سے سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے پاس بھی دلائل ہیں آپ ویسے ہی ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں یہ میری تحریر ان حضرات کے لیے بھی ہے آپ خدارا ان کی بے جا تائید نہ کریں آپ کی تائید سے عوام ان کے قریب ہو گی اور ان کے عقائد و نظریات خراب ہونگے اور اس کا سبب آپ بنے ہیں یہ نہ ہو کہ کل قیامت میں آپ سے مواخذہ ہو۔ لہذا ہمارے جو اہل حق حضرات فتنوں کے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں اس فن میں ان پر اعتماد کریں۔

اب آئیں ان کے عقائد و نظریات کا اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کے عقائد و نظریات کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں پہلے اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کا عقیدہ و نظریہ زیب قرطاس کرتا ہوں پھر اس کے متعلق مماتیوں کا عقیدہ ان کی کتب سے جس کے چند حوالے نقل کرتا ہوں۔ جو صاحب بصیرت، صاحب عقل، حضرات کے سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

(1): عقیدہ حیات النبی ﷺ، اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کا ایک اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور دیگر انبیاء علیہ السلام وفات ظاہری کے بعد اپنی قبروں میں بتعلق روح زندہ ہیں ان کے اجساد مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ یہ اہل السنت والجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے۔

اب مماتیوں کی عبارات ان کی کتب سے ملاحظہ فرمائیں۔

(1): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

> ”حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کے اجساد مطہرہ قبروں میں محفوظ و مصئون ہیں بالکل صحیح ہیں یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر اجساد مطہرہ میں ارواح طیبہ ہوتیں یعنی یہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے تو اجساد طیبہ کی پھر اس حفاظت وصیانت کی کیا ضرورت تھی اس حفاظت وصیانت کی صرف یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہ السلام کی ارواح طیبہ اعلی علیین میں ہیں اور اجساد مطہرہ مقدسہ قبروں میں اس سے ثابت ہوا حضرات انبیاء کہ حضرات انبیاء اپنی عرفی قبروں میں زندہ نہیں۔“

(ندائے حق، ج،1، ص، 490,491)

اس عبارت میں آپ غور کریں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر کی زندگی کی نفی کی جارہی ہے مماتیوں کے نزدیک اجساد مبارکہ صرف محفوظ ہیں ان میں حیات نہیں ہے روح کا جسم مبارک سے تعلق کی نفی ہے۔

(2): نیلوی صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

"نیز سلف میں سے کسی نے یہ تطبیق نہیں دی الٹاسب متقدمین محققین یہ لکھ گئے ہیں کہ اس جسد عنصری کے عوض میں برزخ میں ان سے بہتر اجساد ان ارواح کو عطا ہوتے ہیں جن میں قیامت بپا ہونے تک رہیں گے۔"

(ندائے حق، ج،1، ص، 313)

اس عبارت میں سلف پر جھوٹ بول رہے ہیں اس جسد عنصری جس کی زیارت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ازواج مطہرات نے کی اس سے بہتر کوئی دوسرا جسم نہیں ہو سکتا کہ روح مبارک اس جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہوئی ہے یہ دجل وفریب کے سوا کچھ نہیں۔

(3): ابو مقداد سید عبد المقدس صاحب لکھتے ہیں کہ

"یہ بات بے دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح مبارکہ موت کے بعد اجساد مبارکہ کو واپس کی گئی ہیں۔"

(تحقیق الحق فی بیان مکائد اظہار الحق، ص، 423)

یہ عبارت بھی واضح ہے ان کے نزدیک ارواح کا اجساد کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ بات بے دلیل ہے۔

(3): مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح بھی جنت کے اعلی وافضل مقام پر موجود ہیں اور ان کا زمین میں مدفون جسموں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ حیات دنیوی کے قائلین انبیاء کی حیات کو شہداء پر قیاس کرتے ہیں۔"

(حیات النبی، ص، 21)

اس عبارت میں بھی واضح طور جسد عنصری کی حیات کی نفی ہے۔ موصوف آگے کیا لکھتے ہیں کہ قائلین انبیاء کی حیات کو شہداپر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کا دجل وفریب اور اصول سے نابلد ہونا ہے جہل پر مبنی عبارت ہے دلالت النص اور قیاس کا فرق معلوم نہیں مجلہ راہ ہدایت جولائی 2024ھ کے شمارہ میں اس پر اصولی جواب نقل کر دیا گیا ہے صاحب ذوق حضرات اس کا مطالعہ فرمائیں اور ساتھ ہی اس بات کی بھی دعوت دوں گا کہ استاذ محترم متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کی کتاب اصول فقہ کا مطالعہ کریں۔ رہی یہ بات کہ شہید پر قیاس کرتے ہیں تو چلو شہید کی حیات جسد عنصری کے ساتھ مان لو تم تو اس کے ماننے سے بھی بدکتے ہو۔ مولانا محمد حسین نیلوی صاحب کی مان لو وہ لکھتے ہیں کہ

”جب اپنی قوم واقارب وغیرہ کے ساتھ روحانی تعلق قرآن پاک سے ثابت ہے تو اپنے جسد عنصری کے ساتھ روح کا تعلق یقیناً ثابت ہے جو اسی قرآنی آیت سے بطریق دلالت النص ثابت ہے اور جو بات دلالت النص کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت ہو جائے وہ اسی طرح قطعی اور یقینی ہوتی ہے جس طرح عبارۃ النص کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت ہونے والی بات قطعی اور یقینی ہوتی ہے یہ تعلق ثابت ہے اس تعلق کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس تعلق کے انکار سے قرآن پاک کی آیت کا انکار لازم آتا ہے اور ایک آیت بلکہ ایک کلمہ قرآنیہ کا انکار کفر ہے جس طرح سارے قرآن کریم کا انکار کفر ہے“

(ندائے حق،ج،1،93)

روح کا جسم سے دلالت النص کے طور پر نیلوی صاحب اس عبارت میں مان رہے ہیں۔ بندیالوی صاحب ان کے بارے میں کیا فرمائیں گے کیا وہ سب گمراہی کے فتوے ان کے لیے بھی ہونگے یا نہیں۔ کاش کہ مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب اگر اصول الشاشی، حسامی، نور الانوار بھی صحیح پڑھ لیتے تو قیاس اور دلالت النص میں فرق کر سکتے۔

(4): مولانا خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

”آنحضرت ﷺ کو روضہ مبارکہ میں بجسد عنصری کے ساتھ زندہ سمجھنا یہ شیعہ مسلک ہے۔“

(البرھان الجلی علی بھتان سردارجی، ص22)

اس عبارت میں امت کے اجماعی عقیدہ کو شیعہ کا مسلک قرار دیا گیا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب (تحریرات حدیث، ص 330,331) پر عقیدہ حیات النبی ﷺ، کی متعلق روایات لائے ہیں۔ آپ کے اصول کے مطابق رئیس المفسرین نے شیعہ والا مسلک اختیار کیا ہے اپنی تکفیری مشین جس سے تکفیر کے فتوے تم لوگوں نے اکابرین اہل السنت والجماعت احناف دیوبند پر لگائے ہیں تو کیا وہ فتوی یہاں پر بھی لگے گا یا نہیں؟

(5): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"اور بعض اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ بعد از وفات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مبارکہ موہوبہ اجساد مثالیہ میں داخل ہو کر اعلی علیین میں تشریف لے جاتی ہیں۔"

خود تراشیدہ عقیدہ پر اہل اسلام کا لیبل لگا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تاکہ لوگ اہل اسلام کا سن کر دھوکے کا شکار ہو جائیں اس میں واضح طور جسد عنصری کی حیات کی نفی اور ایک نیا جسم، جسم مثالی کے نام پر غلط عقیدے کی ترویج کر رہا ہے۔

محقق اہل السنت والجماعت ترجمان علماء دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ نے قائلین جسم مثالی سے 80 سوالات کیے ہیں جو ذریت مماتیت کے سروں پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہے ہیں جن کے جوابات مماتیت پر قرض ہیں حضرت رحمہ اللہ نے سوالات ایسے مرتب کیے ہیں کہ ایک سوال کا جواب دیں تو دوسرے میں پھنس جاتے ہیں، دوسرے کا دیں تو تیسرے سوال میں پھنس جاتے ہیں۔ یہاں پر دفع دخل مقدر کے طور پر ایک سوال کو حل کرتا چلوں مماتی سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ہمارے ان اکابر کی کتب کی عبارات قطع برید کر کے گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں نے جسم مثالی لکھا ہے فلاں نے لکھا ہے۔ صوفیاء کرام کی عبارات پیش کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے جسم مثالی اور ان کے جسم مثالی ماننے میں فرق ہے۔ صوفیاء اسی جسد عصری کے لیے حیات کے قائل ہیں اور سماع عند القبر کے بھی قائل ہیں۔ مماتی ان دونوں باتوں کے منکر ہیں۔ ایک ہے اہل السنت والجماعت متکلمین، دوسرے ہیں اہل السنت والجماعت صوفیاء کرام، اور تیسرے ہیں مماتی، اہل سنت متکلمین کے نزدیک انسان دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک ہے روح دوسرا ہے جسم دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اہل سنت صوفیاء کے نزدیک ایک ہے روح دوسرا ہے جسم ان کے نزدیک بھی انسان دو چیزوں

سے مرکب ہے لیکن صوفیاء کہتے ہیں کہ انسان کی جب روح جسم سے نکلتی ہے تو اس کی شکل کیسے ہوتی ہے تو صوفیاء کہتے ہیں کہ روح متشکل بجسدہ الاصلی، یعنی روح کی شکل جسم کی طرح ہوتی ہے۔ مستقل جسم نہیں مانتے صرف روح کو اسم ثانی جسم مثالی کا دیتے ہیں۔ مماتیوں کے نزدیک ایک ہے روح دوسرا ہے جسم اور تیسری چیز ہے جسم مثالی جو مشک و کافور سے بنا ہوتا ہے، مستقل تیسرا جسم مانتے ہیں۔ صوفیاء مماتیوں کی طرح مستقل جسم مشک و کافور وغیرہ کا بنا ہوا نہیں مانتے صرف روح کو دوسرا نام دیتے ہیں۔ اہل السنت والجماعت متکلمین، اہل السنت والجماعت صوفیاء کے درمیان یہ نزاع حقیقی نہیں ہے بلکہ نزاع لفظی ہے۔

دو مختلف باتوں کا محکوم علیہ علیحدہ علیحدہ ہو مثال کے طور پر زید کے دو بیٹے ہوں بکر اور عمرو، ایک آدمی کہے کہ زید کا بیٹا عالم ہے دوسرا آدمی کہے کہ زید کا بیٹا جاہل ہے۔ اب ان کے درمیان نزاع ہوا حقیقت حال کا پتہ چلا کہ زید کے دو بیٹے ہیں۔ ایک عالم، دوسرا جاہل، جو آدمی کہہ رہا تھا کہ زید کا بیٹا عالم ہے اس کے مد نظر جو عالم تھا وہ ہے اور جو کہہ رہا تھا کہ زید کا بیٹا جاہل ہے اس کے مد نظر جو بیٹا جاہل تھا وہ ہے۔ یا ایک لفظ کے دو معنی ہوں دو آدمی آپس میں بحث و مباحثہ کر رہیں ہیں ایک کے پیش نظر ایک معنی دوسرے کے پیش نظر دوسرا معنی ہو جب حقیقت سامنے آئے گے تو نزاع ختم ہو جائے گا۔ یا ایک چیز کی دو قسمیں ہوں اس میں دو آدمی اختلاف کریں ایک کے مد نظر ایک قسم اور دوسرے کے مد نظر دوسری قسم جب حقیقت حال سامنے آئے گا تو نزاع ختم ہو جائے گا۔ اسے نزاع لفظی کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل السنت والجماعت صوفیاء نے جو جسم مثالی کا قول کیا ہے وہ کوئی مستقل جسم نہیں ہے بلکہ روح کو دوسرا نام جسم مثالی دیتے ہیں۔ ویسئلونک عن الروح، کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس حوالے سے بحث نقل کی ہے تفصیل کے لیے اس آیت مبارکہ کے تحت تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

(6): مولانا خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

> "روح کا جسد عنصری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور یہی الحمد اللہ ہمارے تمام اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔
>
> (البرھان الجلی علی بھتان سردارجی، ص، 181)

اس عبارت میں بھی جسد عنصری کے ساتھ روح کے تعلق کی نفی کی ہے اور اس کو اہل السنت والجماعت کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ ان کی یہ عبارت حقائق پر مبنی نہیں ہے تمام اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کے

نزدیک تمام حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصا حضور انور ﷺ، کو اپنے روزہ اطہر جسد عنصری کو بتعلق روح حیات حاصل ہے۔ یہ ایک مسلمہ عقیدہ ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اعادہ روح کے قائل ہیں۔(الفقہ الاکبر، ص،102)

فقہ اکبر کو نیلوی صاحب بھی امام صاحب کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں۔(القول الاتم فی حیات عیسی ابن مریم، ص، 34)آگے چل کر الفقہ الاکبر کے حوالے سے بحث آئے گی مزید وضاحت وہاں پر ہو گی۔

(7): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"الحاصل قبر نبی ﷺ، کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ سب صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ، بجسدہ و روحہ بحیوۃ دنیویہ عنصریہ زندہ نہیں ہیں دنیا کے اعتبار سے آپ ﷺ، اموات میں داخل ہیں۔"

(ندائے حق، ج،1, ص،668)

اس عبارت میں غور کریں قبر کی طرف ممانعت کا ذکر رہے ہیں حالانکہ ان کے نزدیک یہ قبر نہیں ہے آگے جھوٹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ان کا اجماع عدم حیات پر ہے میں ذریت مماتیت کو کھلا چیلنج دیتا ہوں کہ تمام صحابہ کرام سے نہیں صرف ایک صحابی کا حوالہ لے کر آئیں کہ آپ ﷺ، کو بعد الوفات روزہ اطہر میں جسد عنصری کو روح کے تعلق کے ساتھ حیات حاصل نہیں بلکہ جسم مثالی کے ساتھ حاصل ہے۔ منہ مانگا انعام دوں گا مگر

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے　　　یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

(8): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"سلف و خلف کے نزدیک بھی یہی مسلک صحیح ہے کہ ان ابدان محسوسہ سے نکل کر روح دوسرے مثالی جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔"

(ندائے حق، ج،1, ص،33)

اس عبارت میں میں بھی اسلاف کی طرف جھوٹا نظریہ منسوب کیا گیا ہے اس میں واضح طور پر دوسرا مستقل جسم

جسم مثالی مانا گیا ہے۔

(9): سجاد بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ

"انبیاء۔۔۔ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی ارواح مبارکہ کو طیوری جسموں کے بجائے ان کے عنصری بدنوں کے ہمشکل جسم عطاء ہوتے ہیں۔

(اقامۃ البرھان، ص،149)

اس میں بھی جسم مثالی ثابت کیا گیا ہے۔

(10): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"ان کی ارواح کو ان کے اصلی ابدان کے مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام دیئے جاتے ہیں۔"

(ندائے حق، ج،1, ص،554)

اس عبارت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ایک مستقل مشک و کافور سے بنا ہوا جسم مانا گیا ہے کہ وفات کے بعد آ ﷺ کی روح مبارک جسد عنصری سے نکل کر اس نئے جسم میں داخل ہوئی ہے یہ سراسر جھوٹ اور بے دلیل نظریہ ہے۔

مولانا شہاب الدین خالدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

البتہ سب کا اتفاق ہے کہ کافر مشرک کے پیچھے نماز ہرگز نہیں ہوتی۔ جب یہ کہا جائے کہ فلاں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی تو دراصل بہ مایہ کے حق میں کافر ہونے کا فتویٰ ہے سیدھا سادا کفر کا فتوی نہ لگایا اور چور دروازے سے نماز نہ ہونے کا فتوئی جڑ دیا۔ یہ کہنا کہ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ والوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی دراصل جمعیت والوں پر کفر کا فتوی لگانا ہے۔ امام الانبیاء سید الرسل ﷺ کا فتوی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ نماز نہ ہونیکا فتوی دیگر جن مفتیوں نے ہم پر اس آڑ میں کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ تو یہ فتویٰ انہیں پر لوٹ گیا ہم پر کفر کا فتوی لگانے والے خود اس فتوی کفر کے مصداق بن گئے۔"

(عقیدۃ الامت، ص،442)

خالدی صاحب نے تمام مفتیان و علماء کرام کو کافر قرار دیا ہے حالانکہ مماتیوں پر کفر کا فتوی نہیں ہے۔ بلکہ اہل

السنت والجماعت احناف دیوبند، سے خارج قرار دیا ہے۔

قبر اہل السنت والجماعت کے نزدیک: قرآن وحدیث میں لفظ قبر آیا ہے اس سے مراد یہی زمینی قبر ہے۔ جہاں عذاب وثواب کی بات آئی ہے اس سے مراد بھی یہی زمینی قبر ہے۔ یہ قبر حقیقی، شرعی، لغوی، عرفی، قبر ہے۔ علیین اور سجین کو کسی نے قبر شرعی نہیں کہا۔ میں یہاں دفع دخل مکدر کے طور پر ایک سوال کا جواب عرض کر دیتا ہوں کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کوئی جل کر راکھ ہو گیا، پانی میں ڈوب جائے، یا کسی کو کوئی جانور کھالے اس کا کیا ہو گا اس کو تو اس گڑھے میں دفن نہیں کیا جواب یہ ہے کہ جن مردوں کے ساتھ یہ معاملات یعنی نہ وہ جل کر راکھ ہوئے، نہ وہ ڈوبے ہیں اور نہ ہی کسی جانور نے کھایا ہے پیش آئے ان کے بارے میں کیا کہیں گے ان کے لیے کیا یہی قبر مانتے ہیں رہی بات جن کے ساتھ یہ معاملہ ہو گیا تو جس جگہ ان کا جسم یا اس مردہ کے ذرات ہونگے اسی جگہ اس کی روح کا تعلق قائم کر کے قبر بنادی جاتی ہے۔

مماتیوں کے نزدیک قبر: (1): مولانا شہاب الدین خالدی صاحب لکھتے ہیں کہ

روح کے اسی ٹھکانہ کو شریعت میں ثواب وعذاب کی قبر کہتے ہیں جو یقیناً زمین کا گڑھا نہیں ہے۔

(عقیدۃ الامت، ص،38)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ علیین اور سجین قبر ہے نہ کہ یہ زمینی گڑھا جس میں ہم مردوں کو دفن کرتے ہیں۔

(2): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

”اس قبر سے عرفی قبر سمجھنا کم فہمی ہے۔

(مجموعہ رسائل نیلوی۔ ج،2,ص،134)

(3): مولانا خضر حیات صاحب لکھتے ہیں کہ

”قبر شرعی صرف عالم برزخ ہے نہ کہ یہ گڑھا۔“

(المسلک المنصور، ص,32)

ان میں بھی اس زمینی قبر کی نفی کی گئی ہے۔

(4): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

”اس حسی گڑھے میں خواہ مخواہ عذاب ہونے کا نام عذاب قبر نہیں“

(ندائے حق، ج،1، ص،217)

اس میں بھی قبر ارضی کا انکار گیا ہے۔

(5): مولانا خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

"قبور سے محفور قبور مراد لئے جائیں جیسے سردار جی اور اس کے ہم خیال کہتے ہیں تو یہ نص قرآنی کی مخالفت ہے۔"

(البرھان الجلی علی بھتان سردار جی، ص192)

اس عبارت میں بھی زمینی قبر کا واضح انکار ہے اور قرآن کے نام پر جھوٹ بول رہے ہیں حالانکہ قرآن کریم کی کسی آیت سے بھی اس زمینی قبر کے انکار پر کوئی آیت دلالت نہیں کرتی کسی بھی آیت سے اس قبر کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس زمینی قبر پر آیات مبارکہ دلالت کر رہی ہیں ذریت مماتیت الٹی لٹک سکتی ہے زہر کا پیالہ پی سکتی ہے پر قرآن کریم سے ایک آیت بھی اس قبر کی نفی پر نہیں دکھا سکتی۔ رہی بات ہمارے موقف پر دلائل کی بات تو ہمارے یہاں دلیل نہیں دلائل ہیں بلکہ دلائل کے انبار ہے۔ اگر مماتیوں کی طرف سے شبہات پیش کیے گئے کیونکہ ان کے پاس اپنے عقائد و نظریات پر دلائل نہیں بلکہ ہماری پیش کردہ دلیل پر شبہ اور ڈھکوسلہ ہے۔ اہل السنت والجماعت احناف دیوبند کے عقائد و نظریات پر ہمارے اکابر نے دلائل سے بھرپور کتب تحریر کر دی ہیں پھر بھی ضرورت پڑنے پر دلائل قلمبند کر دیئے جائیں گے۔

مولانا محمد حسین نیلوی صاحب زیارۃ قبور کا مسنون طریقہ ذکر کرتے ہیں کہ

"البتہ زیارۃ قبور کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ قبر کے پاس پہنچ کر بطور دعا اہل قبور کو سلام کیا جائے جس کا فائدہ صاحب قبر اور زائر دونوں کو ہوتا ہے لیکن سنے سنانے والی بات نہیں۔"

(رسائل نیلوی، شمارہ،9، ص،52)

اگر انصاف پسند آدمی اس عبارت کو غور سے پڑھے تو پتہ چلتا ہے کہ نیلوی صاحب کیا لکھ رہے ہیں اس عبارت میں زیارۃ قبور کا طریقہ ذکر کیا جارہا ہے لوگ تو ان قبور کی زیارت کرتے ہیں اور حضرت کے نزدیک یہ قبر ہی نہیں ہے، قبر کے پاس پہنچ کر، اب مماتی یہ جواب دیں کہ علیین آپ کے نزدیک قبر ہے لوگ تو ان قبور کی زیارت کرتے ہیں علیین کو تو کوئی بھی نہیں جاتا آگے لکھتے ہیں کہ "سلام کیا جائے جس کا فائدہ صاحب قبر اور زائر دونوں کو ہوتا

ہے" آپ کے نزدیک جب یہ قبر ہی نہیں کس طرح سلام کرے اور کس طرح فائدہ ہوتا ہے ذرا اس کی وضاحت فرمائیں، ذریت مماتیت سے میرا ایک سوال ہے آپ کے نزدیک تو یہ قبر نہیں ہے قبر اوپر علیین ہے یا زمینوں کے نیچے سجین ہے۔ آپ نے یہ جو خود ساختہ اصول قبر کے متعلق تراشہ ہے۔ اس حوالے سے ایک بات کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ جب بریلویوں پر فتوی لگاتے ہیں کہ یہ شرک کرتے ہیں جب پوچھا جائے کہ وہ کیسے تو آپ کہتے ہیں کہ یہ قبر کو سجدہ کرتے ہیں تو جب بریلویوں کی باری آتی ہے تو آپ کے نزدیک یہ قبر ہوتی ہے اور جب عقیدہ اہل السنت کی باری آتی ہے تو آپ کے نزدیک پیمانہ بدل جاتا ہے۔ یہ کیا دوغلہ پالیسی ہے لینے کے باٹ اور اور دینے کے باٹ اور، اگر قبر یہ نہیں تو بریلوی پھر مشرک کیسے کس چیز کو سجدہ کرتے ہیں قبر یہی ہے تو پھر آپ کے عقیدے نے بچنا نہیں ہے اب آپ دیکھ لیں کہ کیا کرنا ہے کیا کھونا ہے اور کیا بچانا ہے۔ مولانا خضر حیات صاحب لکھتے ہیں کہ

"حضرت سرور کائنات کی قبر تمام روئے زمین کی قبروں سے بہتر اور افضل ہے۔"

(اتمام البرہان، ص،115)

مزید لکھتے ہیں کہ

"امت کی طرف سے جو کچھ صلوۃ و سلام جاتا ہے وہ آپ کو پہنچ جاتا ہے قبر کے نزدیک سے بھیجا جائے خواہ دور سے حضور علیہ السلام کی قبر کے پاس مجمع کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔

(اتمام البرہان، ص،116)

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ

"اس میں اس پر دلیل ہے کہ وہ چیز جس کا فساد مسجد ضرار سے زیادہ ہو ڈھا دینا ضروری ہے مثلاوہ مسجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں بیشک اسلام کا حکم ان کے بارے میں یہی ہے کہ ان سب کو ڈھا کر زمین برابر کر دی جائے اسی طرح ان گنبدوں اور برجوں کو ڈھا دینا واجب ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہوں"

آگے لکھتے ہیں کہ

"حضور سرور کائنات نے قبروں پر عمارت بنانے سے منع فرمایا اور قبروں پر مسجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ایسی عمارت گرانے میں بہت جلدی کرنی چاہیے اسی طرح ان ہانڈیوں اور چراغوں

اور موم بتیوں کو دور کرنا چاہیے جو قبروں پر روشن کی جائیں، اسی واسطے علماء کہتے ہیں کہ قبروں پر تیل بتی وغیرہ کی نذر جائز نہیں کیونکہ یہ نذر حرام ہے۔

(اتمام البرہان، ص،117)

آپ خود ان سطروں کا مطالعہ اگر بادی النظر سے بھی کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مماتی کس طرح حواس باختہ ہیں انہیں کچھ فہم ہی نہیں کہ ہم کیا لکھ رہے ہیں بچارے اس دن سے گمراہی کی وادی میں سرگرداں ہیں جس دن سے اہل حق کے دامن کو چھوڑ کر اہل ضلالت کے متبع بنے ہیں۔ ان ساری عبارات کو ایک خالی الذہن آدمی بھی مطالعہ کرے تو وہ ان کے علم پر اور ان کی جہالت پر افسوس کرے گا کہ ان عبارات سے تو پتہ چلتا ہے کہ قبر زمین پر ہے روزہ رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، زمین پر ہے، مسجدیں زمین پر ہیں گنبد اور برج بھی اسی زمین پر لوگ بناتے ہیں عمارتیں، ہانڈیاں اور چراغاں موم بتیوں کو روشن کرنا تیل بتی یہ سارے امور ان ہی زمینی قبروں پر لوگ سرانجام دیتے ہیں۔ ناکہ علیین سجین پر یہ لمحہ فکریہ ہے۔

عذاب وثواب قبر اہل السنت والجماعت کے نزدیک: یہ ہے کہ عذاب وثواب قبر برحق ہے قبر میں سوال وجواب ہوتے ہیں جسم اور روح دونوں کو عذاب وثواب اسی قبر میں ہوتا ہے۔

مماتیوں کے نزدیک عذاب وثواب قبر: (1): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"اس ڈھانچے یا اس کے کسی جزء کو ثواب وعذاب پہنچنے کا قول محض مکابرہ ہے۔"

(ندائے حق۔ج،1,ص،310)

اس عبارت میں مولانا محمد حسین نیلوی جسم سے ثواب وعذاب کی نفی کر رہے ہیں۔

(2): مولانا شہاب الدین خالدی صاحب لکھتے ہیں کہ

"اس دنیاوی جسم کو دنیاوی قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔"

(عقیدۃ الامت، ص،500)

مولانا شہاب الدین خالدی صاحب کی عبارت میں جسد عنصری سے عذاب کی نفی کی جارہی ہے۔ قبر ارضی کی بھی نفی ہے۔

(3): مولانا شہاب الدین خالدی صاحب لکھتے ہیں کہ

”اس جسم عنصری کو عذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی اس قبر میں عذاب ہوتا ہے یہ تفصیل گزشتہ اوراق میں آپ نے پڑھی ہے کہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے جو اس قبر میں نہیں ہوتی یا جنت وعلیین میں ہوتی ہے یا سجین میں نہ تو یہ جسم علیین و سجین میں جاتا ہے اور نہ روح اس قبر میں آتی ہے اور عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے تو لا محالہ یہ مٹی والی قبر عذاب وثواب والی قبر نہیں ہے بلکہ صرف انسانی جسم چھپانے کی جگہ ہے تاکہ انسان کی بے حرمتی نہ ہو۔“

(عقیدۃ الامت، ص،525)

اس عبارت میں جسم سے ثواب وعذاب کی نفی پائی جارہی ہے روح کے لیے ثابت کر رہے ہیں اور اس میں قبر ارضی کا انکار بھی پایا جارہا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی خانہ زاد تشریح و تعبیرات ہیں جو دجل وفریب پر مبنی ہے قرآن وسنت کے متضاد موقف اختیار کیا ہوا ہے۔

(3): سجاد بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ

”نکیرین کا سوال اور مردے کو اٹھا کر بٹھانا اس قبر محفور (گڑھے) میں نہیں ہونا بلکہ یہ سب کچھ عالم مثال میں ہوتا ہے اور عذاب وثواب قبر بھی اس گڑھے میں نہیں ہوتا۔“

(اقامۃ البرھان ص،265)

یہ بھی ان کی من البطن تشریح ہے۔ یہ لوگ بھی بلکہ تمام مسلمان اپنے مردوں کو اسی زمینی قبر میں دفن کرتے ہیں کوئی بھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ آسمان کی طرف اپنے مردے کو لے کر چڑھ رہا ہے۔ ذرا سی بھی عقل ہوتی تو اس قسم کا بھونڈا نظریہ نہ رکھتے۔

(4): مولانا محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

”بہر حال اس جہان والے میت کو کچھ اذیت نہیں پہنچا سکتے نہ دفن سے پہلے نہ دفن کے بعد اور عذاب وثواب کا مسئلہ عالم دنیا اور عالم اجساد کے ساتھ نہیں اس کا تعلق عالم برزخ کے ساتھ ہے جسے خدا جانتا ہے اور اسی انسان کو محسوس ہوتا ہے۔“

(ندائے حق، ج،1، ص،37,38)

اس میں بھی دجل وفریب سے کام لے رہے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ آپ اپنے مردے کہاں دفن کرتے ہیں

یہی جواب ہو گا کہ زمین پر لیکن ان کے نزدیک قبر یہ نہیں ہے۔ان کی یہ عجیب منطق ہے جو خود ان کو بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

(5):مولانا خضر حیات صاحب لکھتے ہیں کہ

> ”عذاب وثواب قبر برزخی صرف روح کو ہوتا ہے بدن عنصری ترابی کو نہیں ہوتا اور روح قیامت تک بدن عنصری میں نہیں لوٹائی جاتی اور بدن عنصری میں کوئی حیات نہیں ہوتی۔“
>
> (المسلک المنصور، ص،26)

ان عبارت میں جسم سے ثواب وعذاب کی نفی پائی جارہی ہے اور اس میں قبر ارضی کا انکار بھی پایا جارہا ہے ثواب و عذاب کا روح کے لیے اثبات ہے۔ حالانکہ یہ ان کی خانہ زاد تشریح و تعبیرات ہیں جو دجل و فریب پر مبنی ہے قرآن وسنت کے متضاد موقف اختیار کیا ہے اس کا تعلق بطن سے ہے، قرآن وسنت سے نہیں۔ دنیا میں نیکی روح اور جسم مل کرتے ہیں گناہ بھی روح اور جسم مل کر کرتے ہیں۔ لیکن مماتیوں کا عجیب فلسفہ ہے جو قرآن و سنت اسلاف و اکابر کی تعلیمات کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و دانش کے بھی خلاف ہے۔ ان کا یہ نظریہ انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

(جاری)

محترم لئیق رحمانی صاحب حفظہ اللہ

مفتی طارق مسعود کا رجوع

علامہ ارشد القادری کی عدالت میں

مفتی طارق مسعود صاحب دامت برکاتہم نے اپنے حالیہ متنازع بیان، جس میں حضرت قبلہ سے نادانستہ طور پر ایک غلطی سرزد ہوئی اس سے بغیر کسی لاگ لپیٹ رجوع کر لیا، الحمدللہ۔ مگر رضاخانی حضرات مفتی صاحب کا توبہ و رجوع ماننے کو تیار نہیں، رجوع کے بعد بھی مسلسل گستاخی کے فتوے داغ کر اپنی ''اعلیٰ حضرتی ذہنیت'' کا اظہار کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہم انصاف کے لیے مفتی صاحب کا رجوع نامہ اور جماعت دیوبند پر رضاخانیوں کے جارحانہ حملے، رضاخانی علامہ ارشد القادری کی عدالت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس امید پر کہ سنجیدہ اور انصاف پسند بریلوی اپنے علامہ کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔

علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

> ''سچ پوچھئے تو... (مفتی طارق مسعود) کی دیانت، خداترسی اور نسبت رسالت کا جذبۂ احترام اس دور میں ضرب المثل بنانے کے قابل ہے کہ انھوں نے تاویل کی گنجائش کے باوجود صرف اتنی سی لغزش پر.... بلا پس و پیش اپنا توبہ نامہ (وڈیو کی صورت میں شائع) کر کے ہزاروں کی تعداد میں عامۂ مسلمین کے درمیان پہنچایا۔ اپنی نادانستہ غلطی کے اعتراف میں نہ ان کی علمی وجاہت مانع ہوئی اور نہ ہی اپنے لاکھوں عقیدت مندوں کے درمیان ان کی بلند قامت شخصیت کا وقار و اعتماد اس راہ میں حائل ہوا، بلکہ وہ ایک بے نفس مردِ مومن کی طرح بیساختہ حق کے آگے جھک گئے۔ ان کا یہ عظیم کردار ان تمام.... (رضاخانیوں کی) غیرت کو ایک کھلا ہوا چیلنج ہے، جنھیں اپنی کفری عبارتوں اور شان رسالت میں کھلی ہوئی اہانت آمیز تحریروں سے آج تک توبہ نصیب نہیں ہوئی (مثلاً مولوی اشرف سیالوی، ڈاکٹر آصف جلالی، الیاس قادری وغیرہ)۔ جب کہ نصف صدی سے عرب و عجم کے قانتین علماء اور اہل سنت کے اکابر (اور خود رضاخانی علماء بھی) ان سے ہزاروں بار توبہ کا مطالبہ کر چکے۔''

(زیر و زبر: ص 367-368)

علامہ ارشد القادری صاحب مزید لکھتے ہیں:

”تاریخ... (مفتی طارق مسعود) کی خدا ترسی اور حق پرستی کو جہاں خراج عقیدت پیش کرے گی وہیں... (بریلوی) علماء کی بد دیانتی پر بھی ہمیشہ نفرین و ملامت کرتی رہے گی کہ توبہ صحیحہ شرعیہ واضحہ کے بعد بھی انھوں نے اپنا الزام واپس نہیں لیا اور وہ آج تک ایک مخلص تائب اور رقیق القلب و ناکیش مردِ مومن کی دل آزاری اور دشمنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں جبکہ قرآن کی صراحت کے مطابق خداوند کریم توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

(زیر و زبر: صفحہ 368)

اصل مجرم

توبہ و رجوع کے بعد بھی رضاخانیوں کا اعتراضات و فتوے بازی کا سلسلہ جاری رکھنے پر علامہ ارشد القادری ”اصل مجرم“ کی سرخی لگا کر لکھتے ہیں:

”آپ ذرا سا ذہن پر زور دیں اور جذبۂ انصاف سے کام لیں تو آپ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ ...(بریلوی) علماء کا یہ رویہ خود ...(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی جناب میں بھی انتہائی اہانت آمیز ہے۔ ان (بریلویوں) کے اس عمل کے پیچھے عقیدت کا جذبہ نہیں بلکہ دل کی کدورت کا شیطان کار فرما ہے۔ اس طرح کی ناپاک سرگرمیوں سے ان کا مدعا صرف ...(مفتی طارق مسعود) سے انتقام لینا نہیں ہے بلکہ ...(مفتی طارق مسعود کے بیان کو) ان کی مراد کے خلاف زبردستی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات پر ڈھال کر خود ان کی آبرو سے بھی کھیلنا ہے۔“

(زیر و زبر: صفحہ 368)

لرزہ خیز توہین

رضاخانیوں نے مفتی طارق مسعود پر یہ جھوٹا الزام بھی لگایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو

معاذ اللہ ”اَن پڑھ“ کہا ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ

اس الزام کی کیا حقیقت ہے؟ اوپر کے اقتباس میں علامہ ارشد القادری بتا چکے ہیں کہ ان (بریلویوں) کے اس عمل کے پیچھے عقیدت کا جذبہ نہیں بلکہ دل کی کدورت کا شیطان کار فرما ہے۔ دراصل مفتی طارق مسعود کے آڑ میں رسول اللہ کی ناموس پر حملہ مقصود تھا۔

اسی لیے علامہ ارشد صاحب ”لرزہ خیز توہین“ کی سرخی لگا کر جدلی انداز اختیار کرتے ہیں اور رضاخانیوں کو آئینہ دکھانے کے لیے لکھتے ہیں:

”...(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے علمائے...(بریلی) کو زرا بھی عقیدت ہوتی تو وہ سب سے پہلے مولوی...(مظہر اللہ دہلوی) کے خلاف احتجاج کرتے جنھوں نے...(تفسیر مظہر القرآن جلد اول) نامی کتاب میں نام لے کر حضرت..(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کھلی ہوئی گستاخی کی ہے۔“

(زیر وزبر: صفحہ 368-369)

چنانچہ مفتی مظہر اللہ دہلوی لکھتا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ کو پچھلی کتابوں میں ”امی“ لقب سے یاد فرمایا ہے اس لیے کہ آپ اَن پڑھ تھے۔“

(تفسیر مظہر القرآن: جلد اول، ص482 ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

پوری جماعتِ دیوبند پر حملے کا جواب

مفتی طارق مسعود صاحب کا متنازع بیان کی خود دیوبندی علماء کرام نے تردید کی اور مفتی صاحب سے بغیر کسی اگر مگر چونکہ چنانچہ والی تاویل کے بالکل صاف اور دوٹوک رجوع کا مطالبہ کیا اس کے باوجود بھی رضاخانیوں نے مفتی صاحب کے بیان کو پوری جماعت پر منطبق کیا اور یک جنبشِ قلم پوری جماعت کو معتوب و مطعون ٹھہرایا۔

ہم یہ مقدمہ بھی علامہ ارشد القادری سے سمجھتے ہیں کہ آیا رضاخانیوں کی یہ حرکتِ نازیبا کہاں تک درست ہے۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

""وہ کتاب نہ فاضل بریلوی کی حیات میں شائع ہوئی نہ اس کی ترتیب و اشاعت میں ان کے خاندان کے لوگوں کا کوئی ہاتھ ہے اور نہ بریلی کے مرکز سے اس کی توثیق کا اعلان ہوا۔ اس لیے اس کتاب کے مبینہ مہلات، اس کی ترتیب اور ماخذ و مسودات کے سلسلے میں جو کچھ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ تنہا کتاب کے مرتب پر عائد ہوتی ہے۔"

(زیر و زبر: ص366)

سبحان اللہ! کیا انصاف ہے واہ!

قارئین علامہ صاحب نے بالکل یہاں بھی ہمارے حق میں فیصلہ کر دیا کہ مفتی طارق مسعود کا بیان نہ تو اکابر علماء دیوبند کی حیات میں اپلوڈ ہوا نہ اس بیان کی ترتیب و اشاعت جماعت دیوبند کے زمہ داران کا ہاتھ ہے اور نہ ہی دیوبندیت کے مرکز دار العلوم دیوبند سے اس بیان کی تائید کا اعلان ہوا۔ اس لیے اس بیان کے مشتملات، اس کی ترتیب اور مآخذ وغیرہ کے سلسلے میں جو کچھ بھی زمہ داری عائد ہوتی ہے وہ تنہا بیان کرنے والے پر عائد ہوتی ہے۔

مگر چونکہ اب بیان کرنے والے نے توبہ ورجوع کر لیا ہے لہٰذا اوپر فیصلہ سنایا جا چکا ہے کہ

"قرآن کی صراحت کے مطابق خداوند کریم توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے"۔

پس تم بھی الزامات و اعتراضات کا سلسلہ بند کرو اور امن و امان کی فضاء قائم کرو۔ ہو سکے تو مفتی طارق مسعود کو محبوب رکھو نہیں رکھنا ہے کوئی بات نہیں مفتی صاحب کو بھی تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔

ضروری وضاحت

"زیر و زبر" کی نقل کردہ عبارات میں، بریکٹ لگا کر جو الفاظ لکھے گئے ہیں وہ الفاظ راقم کی طرف سے اضافہ ہے اور جہاں جہاں نقطے لگائے ہیں وہاں اصل عبارت سے غیر متعلق الفاظ کو حذف کیا گیا ہے، مگر اس سے ہمارے اصل مدعا و استدلال پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ علامہ ارشد القادری نے یہ تمام باتیں اپنے ایک ہم مسلک مولوی کے ایسے ہی ایک معاملے کی صفائی میں لکھی ہیں جیسا معاملہ مفتی طارق مسعود کا ہے۔ بس میں نے اتنا کیا کہ علامہ ارشد القادری کے اُس ہم مسلک مولوی کے نام کی جگہ مفتی طارق مسعود صاحب کا نام لکھ دیا ہے۔ اس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی علامہ ارشد القادری کے اصول سے اسے تحریف و خیانت گردانا جا سکتا ہے۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

”جو لوگ تصنیف و تالیف کا تجربہ رکھتے ہیں وہ مصنفین کے اس دستور سے اچھی طرح واقف ہوں گے کہ کسی دعوے کے ثبوت میں جب کسی کتاب کی عبارت بہ طور حوالہ نقل کی جاتی ہے تو کتاب کا اتناہی حصہ نقل کیا جاتا ہے جتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔“

(زیروزبر:ص399)

علامہ صاحب مزید لکھتے ہیں:

”اب رہ گئی یہ بات کہ درمیان سے عبارت کا کوئی حصہ حذف کر دیا جائے تو اس کے متعلق یہ ضابطہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگر وہ اتنا ضروری حصہ ہے کہ اس کے حذف کر دینے سے پوری عبارت کا مفہوم مسخ ہو جاتا ہے تو یقیناً اسے خیانت و تحریف کہا جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو اسے ہر گز خیانت و تحریف نہیں کہا جا سکتا۔ بشر طیکہ علامتوں کے ذریعہ واضح کر دیا جائے کہ یہاں سے عبارت کا کچھ حصہ حذف کیا گیا ہے۔“

(زیروزبر:ص399)

مزید لکھتے ہیں کہ:

”اس لیے اس حصے کو حذف کر دینے کے بعد بھی چونکہ عبارت کا مفہوم اپنی جگہ پر ہے لہٰذا اس عمل کو بھی خیانت، چوری اور تحریف نہیں کہہ سکتے۔“

(زیروزبر:ص402)

میں سمجھتا ہوں رضاخانیوں کی تسلی کے لیے اتنا کافی ہے۔ امید ہے مفتی طارق مسعود صاحب کے رجوع سے متعلق رضاخانی حضرات بغیر چون وچرا اس علامہ ارشد القادری کے فیصلے کو تسلیم کریں گے کیونکہ علامہ ارشد القادری یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

”گھر ہی کا فتویٰ زیادہ مناسب ہے کہ یہاں چون چرا اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔“

(زیروزبر:ص265)

اور اگر زبردستی چون وچرا اس کی گنجائش نکالنے کی کوشش کی گئی تو ان شاء اللہ ہم جوابی کارروائی ضرور کریں گے۔

یار زندہ صحبت باقی

طاہر گل دیوبندی (قسط:۱)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور مسئلہ حیات فی القبور

بندہ ناچیز نے بعض مماتی حضرات کے کتابوں میں دیکھا کہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کو مسئلہ حیات فی القبور میں اپنا ہمنوا ثابت کرتے ہیں تو بندہ نے حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ کی بعض کتابوں کا بایں نیت مطالعہ کیا کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ اہل بدعت بریلویوں کی طرح فرقہ مماتیت میں بھی حلال مماتی وہ ہو گا جو اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالی کی عبارات کو اپنی دجل و تلبیس کا جامہ پہنائے۔ چنانچہ دورانِ مطالعہ حضرتؒ کی بے شمار عبارتیں سامنے آئیں جس سے فرقہ مماتیت کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ افادہ عام کے لیے انہیں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

عبارت نمبر۱:

حضرتؒ اپنی کتاب ”عقائد الاسلام“ میں عالم برزخ کا تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عالَم برزخ میں پہنچنے کے بعد جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ منکر و نکیر کا سوال ہے یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب خویش و اقارب مردہ کو قبر میں رکھ کر واپس ہوتے ہیں اور روح انسانی جسم خاکی کی طرف عود کرتی ہے تو دو فرشتے منکر و نکیر بحکم خداوندی قبر میں آکر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور اس مرد یعنی محمد رسول ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اگر مسلمان ہے تو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور یہ شخص محمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ تجھ کو کیسے علم ہوا وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس کی تصدیق کی۔

حضور پر نور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا﴾ میں فرشتوں کے جواب میں ثابت قدم رکھنا مراد ہے۔“

(عقائد الاسلام حصہ اول صفحہ:۱۰۰)

اس عبارت سے صراحتاً معلوم ہوا کہ حضرتؒ قبر میں میت کی طرف اعادہ روح کے قائل ہیں۔

عبارت نمبر ۲:

حضرتؒ اسی کتاب "عقائد الاسلام" میں فرماتے ہیں:

"اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ آدمی میں ایک روح ہوتی ہے جب تک وہ جسم میں رہتی ہے آدمی زندہ رہتا ہے اور جب وہ نکل جاتی ہے تو موت آجاتی ہے۔ روح کو بدن کے ساتھ خاص علاقہ ہے جب تک وہ علاقہ رہتا ہے تو آدمی کو زندگی حاصل رہتی ہے اور جب وہ علاقہ ٹوٹ جاتا ہے تو موت آجاتی ہے اور یہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ادراک کرتی ہے اور لذت اور الم کا احساس کرتی ہے۔"

(عقائد الاسلام حصہ دوم صفحہ: ۳۵۰)

عبارت نمبر ۳:

حضرتؒ آگے چل کر فرماتے ہیں:

"اس (روح۔ ناقل) کو بدن کے ساتھ ایک خاص علاقہ ہے جب تک وہ علاقہ رہتا ہے اس وقت تک اس جسم کو زندگی حاصل رہتی ہے اور جب روح کا بدن سے علاقہ قطع ہو جاتا ہے تو موت آجاتی ہے اور موت اور حیات کی یہی حقیقت ہے روح کا بدن سے متعلق ہو جانے کا نام حیات ہے اور روح کا بدن سے تعلق منقطع ہو جانے کا نام موت ہے۔"

(عقائد الاسلام حصہ دوم صفحہ: ۳۵۱)

ان دونوں عبارات سے کھل کر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ حیات کے لئے ضروری ہے کہ روح جسم کے اندر ہو یا جسم کے ساتھ اس کا ایک علاقہ یعنی تعلق ہو اور اس پر اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے۔ اب جو مماتی حضرات زبانی کہتے ہیں کہ ہم حیات کے قائل ہیں ان سے سوال ہے کیا آپ جسم کے ساتھ روح کا تعلق حیات مانتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے معلومات کے مطابق مماتی حضرات موت کی یہ تعریف تو مانتے ہیں لیکن حیات کی اس تعریف کو ماننے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے۔

عبارت نمبر ۴:

حضرتؒ آگے فرماتے ہیں:

”نیز اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شخص کی عمر خدا کے یہاں مقرر ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ حتیٰ کہ مقتول بھی اپنے وقت پر مرتا ہے پس جب آدمی کی موت آتی ہے تو موت کا فرشتہ جس کو عزرائیل کہتے ہیں اور وہ اسی کام پر مقرر ہے اس کی روح نکال لیتا ہے پھر جب مردہ کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اس میں روح ڈال دیتا ہے اور اس قدر حواس اور عقل بھی دے دیتا ہے جس سے مردہ منکر و نکیر کے سوال کو سن کر اور سمجھ کر جواب دے سکے۔“

(عقائد الاسلام حصہ دوم صفحہ: ۳۵۰)

اس عبارت سے بھی صراحتاً معلوم ہوا کہ حضرتؒ قبر میں میت کی طرف اعادہ روح کے قائل ہیں اور میت کے لیے عقل و شعور کے بھی قائل ہیں۔

عبارت نمبر ۵:

حضرتؒ اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

”حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے مگر عجب الذنب (یعنی ریڈھ کی ہڈی) کہ یہ فنا نہیں ہوتی اس سے بدن انسانی کے اجزائے اصلیہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ محفوظ رہتے ہیں۔“

(عقائد الاسلام حصہ دوم صفحہ: ۳۵۶)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اجزاء اصلیہ سے عجب الذنب یعنی ریڈھ کی ہڈی مراد ہے جو بتصریح حدیث محفوظ رہتی ہے۔ جبکہ مماتی حضرات کے نزدیک اجزاء اصلیہ دل میں حلول کیے ہوئے ہیں اور جب موت کے وقت فرشتے روح کو نکالتے ہیں تو روح کے ساتھ اجزاء اصلیہ بھی نکال لیتے ہیں چنانچہ مماتی حضرات کے وکیل اعظم مفتی محمد حسین نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

”حقیقی انسان وہ ذرہ ہی ہے جو قلب میں حلول کیے رہتا ہے اور جس میں کہ روح حلول کرتا ہے۔“

(نداء حق جلد ۱ صفحہ ۲۹۱)

نیلوی صاحب ہی لکھتے ہیں کہ موت کے وقت اجزاء اصلیہ بھی بدن سے جدا ہو جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

”بہر حال جب انسان پر موت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالی فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ ان اجزاء کو اپنے قبضے میں کر لیں جو در اصل وہی انسان ہے“

(نداء حق جلد ا صفحہ ۴۴)

ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

”وہ اجزاء اصلیہ اور ہی ہیں جو ابتدائے آفرینش سے مرتے دم تک انسان کے جسم عنصری میں محفوظ رہتے ہیں۔ مرنے سے پہلے وہ اجزاء اصلیہ انسان سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے جدا ہونے سے انسان انسان نہیں رہتا وہ مر جاتا ہے۔“

(عقائد علماء دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء اور سماع موتیٰ صفحہ ۳۱)

بہر حال مماتی حضرات اور حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ کے موقف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اب ہم حضرتؒ کی دیگر عبارات نقل کرتے ہیں۔

عبارت نمبر ۶:

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ ”عقائد الاسلام صفحہ ۳۵۹“ پر لکھتے ہیں:

”عالم برزخ میں پہنچنے کے بعد جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ یہی منکر و نکیر کا سوال ہے۔ بے شمار احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں مردہ کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے تو منکر و نکیر آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور اس مرد یعنی پیغمبر خدا کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اگر مردہ مؤمن ہوتا ہے تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد رسول ہیں اور اگر کافر اور منافق ہوتا ہے تو متحیر رہ جاتا ہے اور کوئی جواب نہیں دے سکتا۔“

(عقائد الاسلام حصہ دوم صفحہ: ۳۵۶)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک اعادہ روح کے احادیث بے شمار ہیں جبکہ

مماتی حضرات اعادہ روح کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

عبارت نمبر ۷:

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"**فائدہ:** جاننا چاہئے کہ قبر میں فقط روح سے سوال نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے سوال ہوتا ہے۔ قبر میں اول جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک خاص قسم کی حیات دی جاتی ہے اس کے بعد منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں۔

فائدہ: مرنے کے بعد مردہ قبر میں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے بہر حال جس حال میں ہو اس سے یہ سوال ہوتا ہے اور بعد ازاں قبر میں جو عذاب اور ثواب ہوتا ہے اس میں جسم اور روح دونوں شریک ہوتے ہیں۔ قالب اگرچہ مٹی بن جائے یا برتن بن جائے جس حال میں بھی ہو روح کے ساتھ عذاب میں شریک رہتا ہے۔ مرنے کے بعد من وجہ روح کا تعلق جسم اور اس کے اجزاء سے باقی رہتا ہے اگرچہ وہ تعلق بظاہر محسوس نہ ہو جیسے خواب کی حالت میں جسم کا روح کے ساتھ من وجہ تعلق ہوتا ہے اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے اسی طرح عالم برزخ میں روح کو جسم سے کلی مفارقت نہیں ہوتی۔ بلکہ من وجہ تعلق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے جسم اور بدن ثواب اور عذاب کو محسوس کرتا ہے البتہ قیامت میں روح کا جسم کے ساتھ تعلق کامل ہوگا اور روح اور جسم دونوں کے آثار کامل طور پر ظاہر اور نمایاں ہوں گے"

(عقائد الاسلام حصہ دوم صفحہ: ۳۶۱)

اس عبارت سے حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ کے ان عبارات کی بھی وضاحت ہوجاتی ہے جس میں لکھا ہے کہ قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں بلکہ عالم برزخ ہے۔ یعنی حضرتؒ قبر کی مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کیلئے یہ فرماتے ہیں کہ قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں بلکہ عالم برزخ ہے تاکہ جن لوگوں کو دفن نہیں کیا گیا انہیں عذاب و ثواب سے مبرّا نہ سمجھا جائے۔

(جاری)

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

شیخ عبد السلام رستمی کے خلف اکبر شیخ ابو سعید کے تین وسوسے

اور ان کا جواب

مشہور سابق مماتی شیخ عبد السلام رستمی غیر مقلد کے بڑے بیٹے نے ابو سعید نے تین جلدوں میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے بنام "الفوایدالتفسیریة السلفية "۔اس کے جلد اول کے مطالعہ کے دوران تقلید کی تردید پر بزعم خویش دلائل پیش کیے ہیں جن کے جوابات ہمارے اکابر نے بہت پہلے دیئے ہیں۔ عجیب منطق یہ بھی ہے کہ تفسیر کی ابتداء میں سورہ فاتحہ کے وجہ تسمیہ "ام القرآن" بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ سورت چونکہ ان تمام مضامین کا خلاصہ ہے جو سارے قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں، اس لیے یہ سورہ مبارکہ ام القرآن کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ آگے مضامین کی تشریح کے لیے ہمارے دو اکابر کے اقوال سے استناد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اس کی دو تقریریں ہیں، مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اس کی تقریر یہ فرمائی۔کہ قرآن مجید میں چھ مضامین بیان کیے گئے ہیں۔توحید، رسالت، احکام، قیامت، ماننے والوں کے احوال اور نہ ماننے والوں کے احوال۔اور سورہ فاتحہ میں یہ تمام مضامین بالاجمال موجود ہے۔

(الفوایدالتفسیریة السلفية 1/14)

آگے لکھتے ہیں کہ

"دوسری تقریر ہمارے شیخ مولانا حسین علیؒ کی ہے، آپ فرمایا کرتے تھے الخ۔۔۔

(ایضا14)

وہ منطق یہی ہے کہ تفسیر کے جلد اول میں تقلید کو شرک، حرام اور کفر ثابت کرنے پہ لگا ہے جبکہ فاتحہ کی تفسیر میں تقلید شخصی کے عاملین مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا حسین علیؒ کے اقوال پیش کرتے ہیں۔۔ مشرکوں سے قرآن کی تفسیر کا ابتداء کرتے ہیں اور خود مقلد المقلد بن جاتے ہیں۔یعنی مذکورہ بالا دونوں حضرات خود مقلد ہے اور یہ صاحب بجایے امام صاحب کے تقلید کے دو مقلدوں کی تقلید کرتا ہے۔۔۔اسی کو کہتے ہیں اپنے پاوں پہ خود کلہاڑی

مارنا۔۔۔۔مجھے اس پر حضرت اوکاڑویؒ کا ایک واقعہ یاد آیا۔ حضرت اپنے حنفی ہونے کا داستان لکھتے ہوئے عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں

ایک اور سوال

" استاد صاحب کی درس گاہ میں تپائی پر استاد صاحب کی کتابیں کاپیاں وغیرہ میں ہی رکھا کرتا تھا۔ان میں دو موٹی موٹی کاپیاں تھیں ایک پر لکھا تھا" تقریر صحیح بخاری شریف ازعلامہ انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارلعلوم دیوبند " دوسری پر لکھا تھا" تقریر ترمذی شریف ازسید حسین احمد مدنی صدر مدرس دارلعلوم دیوبند" ایک دن میں نے استاجی سے پوچھا تھا کہ استاد جی! آپ ان مشرکوں کی کاپیاں اپنے پاس کیوں رکھتے ہیں؟ اس زمانے میں علمایے احناف کو مشرک کہنا ہمارے ہاں بہت بڑی نیکی اور استاد محترم کو خوش کرنے کا بہت بڑا زریعہ تھا ۔استاد محترم اس پر بہت خوش ہوتے اور خوب شاباش دیتے۔ استاد جی نے فرمایا! بیٹا مسائل میں ہمارا ان کے ساتھ اختلاف ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو علم سے بہت نوازا ہے۔ ہم ان کی کاپیاں پڑھے بغیر نہ بخاری پڑھا سکتے ہیں نہ ترمذی۔ آج وہ بات میرے ذھن میں ابھر آیی۔ میں نے پوچھا استاد جی۔ آپ دھوکا ان لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں جن کی کاپیاں پڑھے بغیر آپ بخاری اور ترمذی نہیں پڑھا سکتے۔

(تجلیات صفدر 1/93)

مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوا کہ یہ بے چارہ فاتحہ کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیر کا محتاج ہے جبکہ تھوڑا سا آگے جا کر حضرت عثمانی کے استاد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو متعصب اور مقلد جامد لکھا۔ افسوس جس برتن میں کھاتے ہیں اس میں پیشاب کے عادی ہے یہ غیر مقلد۔

خیر شیخ ابو سعید کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ اور حنفی مفتی بہا مسائل کی تقلید کرنا چاہیے اگرچہ یہ مسائل قرآن وحدیث کے خلاف اور غیر ثابت بھی ہوں۔(فوایدالتفسیریة السلفیة 1/271)

پھر اس کی مثال میں حضرت شیخ الہند کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں کہ

1)اور اس کی ایک زندہ مثال شیخ الہند محمود الحسن مقدمہ تقریر ترمذی 36,39 میں لکھتے ہیں کہ

" فالحاصل ان مسلة الخيار من مهمات المسائل وخالف ابوحنيفة فيه الجمهور وكثيرا من الناس من المتقدمين والمتاخرين-وصنفوا رسايل فى ترديدمذهبه فى هذه المسلة ورجح مولانا شاه ولى الله الدهلوى قدس سره فى رسايله مذهب الشافعى من جهة الاحاديث والنصوص-وكذالک قال شيخنا بترجيح مذهبه وقال-الحق والانصاف ان الترجيح للشافعى فى هذه المسلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليدامامنا ابى حنيفة رح---

(فوايدالتفسيرية السلفية 1/271 تفسیر سورہ بقرہ)

حضرت شیخ الہندؒ کی طرف منسوب اس عبارت سے غیر مقلد یہ ثابت کرتے ہیں کہ چونکہ امام شافعیؒ کا مسئلہ ٹھیک ہے اور امام صاحب کا خطا۔۔ اس کے باوجود شیخ الہندؒ نے لکھا ہے کہ ہم چونکہ مقلدین ہے امام صاحب کے لہذا ہم امام صاحب کی تقلید کریں گے۔۔۔ اور کہتے ہیں کہ یہی تقلید جامد ہے۔۔۔

جواب: سب سے پہلے یہ بات یاد رکھیں کہ بایعان بالخیار کے مسئلہ میں قطعاً امام صاحبؒ حدیث کے مخالفت نہیں کرتے ۔۔ بلکہ بایعان بالخیار والی حدیث دونوں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مستدل ہیں۔۔۔ صرف مالم یتفرقا۔۔۔ میں دو احتمال ہیں تفرق بالابدان اور تفرق بالاقوال ۔۔ امام شافعیؒ اپنے اجتہاد سے تفرق بالابدان کا احتمال راجح کیا ہے اور امام صاحبؒ نے تفرق بالاقوال کا۔۔۔ دونوں میں کوئی ایک بھی حدیث کی مخالفت نہیں کرتے۔

دوسری بات: عبارت میں لفظ حق موجود ہے اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ حق کبھی بمقابلہ باطل ہوتا ہے جیسا کہ ہم سنی حق پر ہیں اور روافض باطل پر اور کبھی حق بمقابلہ خطاء ہوتا ہے جیسا کہ ہم حنفی حق پر ہیں اور شوافع خطاء پر یا مشاجرات صحابہؓ میں اہل حق کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور سیدنا معاویہؓ خطاء پر تو یہاں اجتہادی خطاء مراد ہوتا ہے باطل مراد نہیں ہوتا۔ اب عبارت کا مطلب یہی ہے کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد حق یعنی درست ہے اور امام صاحب کا اجتہاد اس مسئلہ میں خطاء پر۔۔۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ مجتہد مخطی کو پھر بھی بموجب حدیث ایک اجر ملتا ہے تو امام صاحبؒ پھر بھی ماجور ہیں مطعون نہیں۔

تیسری بات: اب زیادہ سے زیادہ اس عبارت پر یہ اشکال ہو گا کہ امام شافعی اس مسئلہ میں مجتہد مصیب ہے جو اجران کا مستحق ہیں اور امام صاحب مجتہد مخطی جو اجر واحد کا مستحق ہے۔۔۔ تو آپ حنفیوں نے اجران کو کیوں چھوڑا ہے اور اجر واحد کو لے رہے ہیں؟

تو اس کا جواب یاد رکھیں کہ محبت کی وجہ سے کبھی کبھی اجران کو چھوڑ کر اجر واحد لیا جاتا ہے مثلا حرم بیت اللہ میں ایک نماز ایک لاکھ پر ہیں اور حرم مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار پر۔ عمرہ یا حج میں بندہ بیت اللہ کے لاکھ ثواب کو چھوڑا کر مسجد نبوی کے پچاس کو لے لیتا ہے اجران کو چھوڑ کر اجر واحد کو لیتا ہے عشق اور محبت نبوی کی وجہ سے۔ یہاں بھی ہم نے امام صاحب کی محبت میں اجران کو چھوڑا ہے اور اجر واحد کو قبول کیا ہے۔فللہ الحمد والمنۃ۔ لہذا یہ عبارت بالکل بے غبار ہے کسی قسم کا کوئی اعتراض اس پر نہیں ہے یہ شیخ ابو سعید کا ہذیان اور اپنے بڑوں کا اندھا تقلید ہے۔

دوسرا اعتراض: آگے لکھتے ہیں کہ

> "جبکہ یہ صاحب (شیخ الہند رحمہ اللہ) تعصب تقلید میں اتنا منہمک تھے کہ آیت قرآنی میں تحریف کرنے لگا (ایضاح الادلہ 97)
>
> (فوایدالتفسیریة السلفیة 1/272)

الجواب: غیر مقلد نے جس بات بات کو تحریف قرآنی سے تعبیر کیا ہے اس کو سبقت قلم کہا جاتا ہے نہ کہ تحریف قرآن۔ سب سے پہلے ایضاح الادلہ کی طباعت پر روشنی ڈالتے ہیں اور پھر خود ہمارے اکابر نے اس کو سبقت قلم یا کتابت کی غلطی کہا ہے۔ مفتی سعید احمد پالنپوری ؒ لکھتے ہیں کہ

> " ایضاح الادلہ پہلی مرتبہ 1299ھ میں میرٹھ میں طبع ہوئی تھی۔ جس کے صفحات 396 ہیں۔ دوسری مرتبہ 1330ھ میں مولانا سید اصغر حسین صاحب کی تصحیح کے ساتھ مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہوئی۔ جس کے صفحات چار سو ہیں۔ حال ہی میں فاروقی کتب خانہ ملتان سے اس نسخہ کا عکس شائع ہوا ہے۔ کتب خانہ فخریہ امروہی دروازہ مراد آباد سے بھی یہ کتاب شائع ہوئی۔ جس پر سن طباعت درج نہیں لیکن اندازہ یہ ہے کہ یہ ایڈیشن دیوبندی ایڈیشن کے بعد کا ہے۔ اس کے چار سو صفحات ہیں۔۔۔۔ ان سب ایڈیشنوں میں ایک آیت کریمہ کی طباعت

میں افسوس ناک غلطی ہوئی ہے (آگے آیت لکھا ہے اور اس سے شیخ الہندؒ کا استدلال۔۔ پھر لکھتے ہیں کہ) یہ سبقت قلم ہے۔ جس آیت کا حضرت نے حوالہ دیا ہے اس سے مراد یہ آیت ہے سورۃ (نساء آیت 59).. چنانچہ قضا قاضی کی بحث میں حضرت نے اسی مدعا پر دوبارہ اس آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے۔ (دیکھیے طبع دیوبند 256 اور طبع مرآد آباد 269) بہر حال یہ سہو کتابت ہے جو نہایت افسوس ناک ہے۔

(تسہیل ادلہ کاملہ 18)

خود شیخ السلام والمسلمین حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ:

ایضاح الادلہ کی طباعت اول اور ثانی میں تصحیح نہ کرنے کی وجہ سے بے لگام غیر مقلدوں کو (جیسا کہ شیخ ابو سعید) اس ہرزہ سرائی کا موقع مل گیا۔ بہر حال سورتی کے اس مضمون کا جواب لکھ دیجئے۔ آیت میں کاتب کی غلطی ظاہر ہے جو مضمون حضرت رحمہ اللہ نے سابق ولاحق میں لکھا ہے وہ صاف طور پر واضح کر رہا ہے کہ وہ آیت کو غلط طریقہ پر یاد نہیں رکھتے تھے غور فرمایئے اور استدلال قائم کیجئے۔

(تسہیل ادلہ کاملہ 19)

حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"حضرت شیخ الہند نے غیر مقلدین کے خلاف بہترین عظیم ضخیم لاجواب کتاب "ایضاح الادلہ" لکھ کر غیر مقلدین کو دم بخود کیا۔ اب غیر مقلدین حضرات نے ایک آیت، جو کاتب کی غلطی سے لکھی گئی تھی، اس کو اچھالا اور تحریف کا الزام لگا کر اپنے غصہ کی بھڑاس نکالی، حالانکہ غیر مقلدین کے بزرگوں کی کتابوں میں کئی آیات غلط لکھی ہوئی موجود ہیں۔ نواب صدیق حسن خان کی کتاب "الروضة االندیہ" مثلاص ۱،۱۳۵،۴۵ ، ۱۵۵، ۲،۱۵۶، ۳۰۸، ۴۲ مطبع علوی ہند۔۔ نزل الابرار مثلاص ۲۵۱، ۲۲۵، ۱۵۳، ۱۵۰، ۱۴۹، ۳۳ وغیرھا کتابیں دیکھ لیں۔۔ مولانا ارشاد الحق اثری کی کتاب توضیح الکلام ملاحظہ کریں۔ اس میں کئی آیات قرآنیہ غلط لکھی ہوئی

موجود ہیں۔اثری صاحب لکھتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان ھوالا ذکری لذاکرین۔(توضیح الکلام 2/201)مولانا حافظ محمد گوندلوی غیر مقلد مولانا اثری صاحب کے استاذ صاحب لکھتے ہیں :اس میں کیا شبہ ہے کہ کاتب معصوم نہیں ہوتے ،غلطیاں کرتے ہیں۔حدیث کی کتابیں تو کیا، قرآن مجید کے لکھنے میں غلطیاں ہوتی ہیں۔(خیر الکلام 344)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نے آیت اپنی اسی کتاب "ایضاح الادلہ "میں صحیح بھی لکھی ہے قاضی کا بحکم آیت "اطیعواللہ واطیعواالرسول واولی الامرمنکم " نائب خداوندی ظاہر اور حقیقت شناسان معانی کے نزدیک ارشاد واجب الانقیاد۔تو اس مقام پر صحیح کیوں لکھی ہے۔اگر تحریف کاارادہ ہوتا تو یہاں بھی تحریف کرتے۔اللہ تعالیٰ ظالم وبدمعاش غیر مقلدین کو معاف نہیں کرے گا۔

(تنبیہ الغافلین علی تحریف العالین 55)

تیسرااعتراض: موجودہ زمانے کا مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی ارشاد القاری میں رقم طراز ہیں:

"غرض یہ ہے کہ مسئلہ اب تک تشنہ تحقیق ہے، مع ہذا ہمارا فتوی اور عمل قول امام کے مطابق ہی رہیگا۔اس لیے کہ ہم مقلد ہیں اور مقلد کے لیے قول امام حجت ہوتا ہے،نہ کہ ادلہ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے۔

(فوایدالتفسریة السلفیة 1/272)

اس اقتباس سے شیخ ابوسعید غیر مقلد نے یہ نتیجہ اخذ کیاہوا ہے کہ مقلد کے لیے ادلہ اربعہ دلیل نہیں صرف قول امام ان کے لیے حجت ہے۔اسے کہتے ہیں تاویل القول بمالایرضی بہ قائلہ

یہ اعتراض چکوال کے ایک گم نام غیر مقلد الطاف الرحمن جوہر نے بھی اپنے پانچ صفحات پر مشتمل رسالہ میں اٹھایا تھا جس کا تفصیلی جواب ترجمان دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ نے دیاہے بعینہ انہی کے کلمات کو نقل کرتا ہوں تبرکااو تیمنا

حضرت اقدس رحمہ اللہ "اصل معاملہ کیاہے "کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں کہ

"در حقیقت حضرت اقدس تو فرمارہے ہیں کہ ایک عام آدمی جس میں اتنا علم، لیاقت اور استعداد نہیں کہ وہ براہ راست کتاب و سنت سے اجتہاد و استنباط کر سکے تو اسے چاہیے کہ کسی جاننے والے، اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے کی بات پر اعتماد کریں کہ جو کچھ وہ مجھے بتارہاہے ادلہ اربعہ سے بتارہاہے۔؟ کیونکہ ادلہ اربعہ سے استدلال واستنباط مقلد کاوظیفہ نہیں بلکہ مقلد کا کام اپنے امام پر ااعتماد کرناہے۔اسی کو وتقلید کہتے ہیں۔ماہرین شریعت کی روشنی میں شریعت پرعمل کرنا۔ حضرت مفتی صاحب ادلہ اربعہ کی نفی نہیں فرمارہے بلکہ تقسیم کار بتارہے ہیں کہ مجتہد کا کام ادلہ اربعہ سے استدلال کرناہے اور مقلد کاوظیفہ اس کی بات پر اعتماد کرکے قرآن وحدیث پر عمل کرناہے۔

(سوال گندم جواب چنا28)

فلہذا تقلید دشمنی میں یہ غیر مقلد اور لامذھب اتنے بے باک ہوئے ہیں کہ جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتے اور نہ عبارات اکابر کو سمجھتے ہیں کیونکہ جب فقہ اور فقہاء کے ساتھ دشمنی ہو تو رب فقاہت کا مادہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل سنت والجماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کی توفیق دیں۔

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہٰذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

https://archive.org/details/@tahirguldeobandi15258